دھوئیں کا جزیرہ

جوبلی نمبر

2/4

جاسوسی دائرہ سیریز

دھوئیں کا جزیرہ

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

بوتھ میں لاش

طوفان کی شدّت بڑھتی جا رہی تھی۔

موسلا دھار بارش کا زور اور زیادہ ہو گیا تھا۔ بارش کے چھینٹوں سے فضا میں دھواں دھواں سا بھر گیا تھا۔ سڑک پر گرتی ہوئی بوندیں شاید نصف فٹ کے قریب زمین سے ٹکرا کر اچھلتی تھیں۔ آسمان بادلوں کی گرج سے گونج رہا تھا۔ ہر گرج کے ساتھ فضا کا کلیجہ دہل اٹھتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہاڑوں کی بلند ترین سے ہزاروں من وزنی پتھر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے لڑھک لڑھک کر نیچے آ رہے ہوں۔

ہر چند لمحوں کے بعد کڑکتی ہوئی طوفانی بجلی کی کڑک زمین کے سینے پر کھڑی ہوئی مضبوط ترین عمارتوں تک کو تھرا دیتی تھی۔ طوفانی ہواؤں کے شدید جھکڑوں کا زور ایسا لگتا تھا جیسے آج سارے شہر کی عمارتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

یہ طوفان سرِ شام ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ سرِ شام ہی سارا شہر قبرستان معلوم ہونے لگا تھا۔ شہر کی گلیوں اور کوچوں میں گھومنے والے آوارہ کتے تک اِدھر اُدھر دبکے پڑے تھے۔ سڑکیں اور گلیاں ویران پڑی تھیں۔ شہر کے کسی بھی گوشے کی گلی یا سڑک پر کسی بھی متنفس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ جگہ جگہ سے بجلی کے تار اور کھمبے ٹوٹ گئے تھے جن سے بعض راستے بھی گھر گئے تھے۔ بعض گلیوں میں بھرے ہوئے پانی میں سرکاری کھمبوں سے ٹوٹے ہوئے تاروں کے گرنے سے کرنٹ پھیل گیا تھا، جن میں اِدھر اُدھر سے مصیبت کا مارا ہوا پناہ کی جگہ ڈھونڈنے کے لیے کوئی کتا وغیرہ پھنس کر ہمیشہ کی نیند سو جاتا تھا۔

اس وقت غالباً رات کے ساڑھے گیارہ کا عمل تھا۔

لیکن اس طوفانی موسم میں بھی شہر کی جانب سے چوڑی اور لانبی سڑک پر ایک موٹر

سائیکل بڑی تیزی سے دوڑتی جارہی تھی، اتنی ہی تیزی سے جیسے موٹر سائیکل سوار کے تعاقب میں موت آرہی ہو اور آگے آگے زندگی بھاگ رہی ہو اور سوار زندگی کا تعاقب کر رہا ہو۔ سوار کے جسم پر برساتی بھی نہیں تھی، وہ صرف اوور کوٹ پہن تھا۔ ہاں سر پر فیلٹ ہیٹ ضرور جمی ہوئی تھی۔

اس کا چہرہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے کہیں جارہا ہو، وہاں جلد سے جلد پہنچنا چاہتا ہو۔ سڑک پر پانی بھی بہہ رہا تھا، کہیں کہیں پھسلن بھی تھی۔ مگر سوار شاید ان تمام باتوں سے لاپرواہ معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ سڑک پر ہلکے ہلکے چھوٹے چھوٹے موڑ بھی تھے، وہ موڑوں پر بھی موٹر سائیکل کی رفتار کم نہیں کر رہا تھا۔ بے تحاشہ موٹر سائیکل بھگا رہا تھا۔ شاید طوفان کی شدت سے وہ غیر مطمئن بھی نہیں تھا، بلکہ اسے اس امر کا اطمینان تھا کہ ایسے موسم میں سڑکیں عملاً صاف ہی ملا کرتی ہیں، ورنہ وہ موڑوں پر ضرور رفتار ہلکی کرنے کی کوشش کرتا۔

موٹر سائیکل بھاگتی رہی، طوفان جاری رہا، بارش کی رفتار بدستور رہی، ہوا کے جھکڑوں میں بھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد پیچھے سے سوار کی پیٹھ پر دھندلی دھندلی روشنی پڑی۔ سوار نے چونک کر پلٹ کر دیکھا، اسے پیچھے برسات کے چھینٹوں کے دھند میں دو مدھم مدھم روشنیاں نظر آئیں۔ وہ غالباً کسی کار ہی کی روشنیاں تھیں جو سوار کے تعاقب میں آرہی تھی۔ سوار کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا ہوئے اور اس نے موٹر سائیکل کی رفتار اور زیادہ تیز کر دی، مگر اس کے پیچھے آنے والی روشنیوں کا فاصلہ نہیں بڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ متعاقب گاڑی کی رفتار بھی تیز کر دی گئی ہے۔

اب سوار کے چہرے پر خوف زدگی کے تاثرات نظر آنے لگے تھے۔ اس نے بنا کسی ایکسیڈنٹ کے خوف کے موٹر سائیکل کی رفتار اور زیادہ تیز کر دی، اتنی تیز کہ معمولی سے معمولی گڑھے میں آکر بھی موٹر سائیکل نصف فٹ کے قریب اچھل جاتی تھی۔ حالاں کہ سڑک نہایت شفاف اور مسطح تھی پھر بھی کہیں کوئی معمولی سا خم بھی موٹر سائیکل کو اچھال دیتا تھا۔

مگر تعاقب میں آنے والی گاڑی کا ڈرائیور بھی شاید لوہے کا بنا ہوا تھا، کیوں کہ جتنی موٹر سائیکل کی رفتار بڑھتی جاتی تھی اتنی ہی گاڑی تعاقب میں قریب آتی جاتی تھی۔طوفان کے شور میں موٹر سائیکل کی مشین کی گھر گھراہٹ اور تعاقب میں آنے والی گاڑی کی مشین کا شور دب کر رہ گئے تھے۔مگر پیچھے آنے والی روشنیاں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو گیس کی لائنیں ہوا میں اڑی چلی جا رہی ہوں۔کم از کم گاڑی کی رفتار اتنی تیز نہیں ہو سکتی تھی۔وہ بھی اس طوفانی موسم میں جب کہ ہر چند قدم کے بعد کسی حادثے کے لیے متوقع رہنا پڑتا تھا۔اس نے موٹر سائیکل کی رفتار اور بڑھا دی۔

مگر تعاقب کا سلسلہ جاری رہا۔موٹر سائیکل سوار کے چہرے پر سراسیمگی اور دہشت اور زیادہ بڑھ گئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ دفعتاً اس نے ایک ہاتھ سے جیب سے ریوالور نکالا اور پلٹ کر ایک فائر جھونک دیا۔ایسے حالات میں فائر تو نشانے پر کیا بیٹھتا البتہ اس کی موٹر سائیکل ہی ڈگمگا گئی، جسے سنبھالنے کے لیے اسے ریوالور بھی چھوڑ دینا پڑا۔ریوالور سڑک پر کہیں گر گیا مگر موٹر سائیکل سوار کے جسم میں سناٹا سا دوڑ گیا۔

اس نے موٹر سائیکل کو ڈگمگاہٹ سے بچانے کے لیے بریک لگانا چاہا، مگر وہ اپنا پیر دباتا ہی رہ گیا، بریک نہیں لگا۔موٹر سائیکل کی رفتار بدستور رہی۔طوفان کی اس شدت میں بھی سوار کے جسم کے مساموں نے بیک وقت ڈھیروں پسینہ اگل دیا۔ایک لمحے کے لیے اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح کانپ کر رہ گئے اور موٹر سائیکل اسی برق رفتاری سے دوڑتی رہی۔تعاقب کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوا تھا۔

اب چوڑی سڑک کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔سڑک کی چوڑائی میں کمی بھی ہو گئی تھی اور جگہ جگہ موڑ بھی تھے۔اور ایسی حالت میں موٹر سائیکل سنبھالنا ناممکنات میں سے ہی تھا، مگر جب موت اور زندگی میں صرف چند قدموں کا فاصلہ رہ جائے تو انسان میں جدوجہد کی قوت اس کی ذاتی قوت سے دس گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔

موٹر سائیکل سوار حتی الامکان کوششوں سے موٹر سائیکل کا بیلنس سنبھالتا رہا۔اس کے پیچھے آنے والی کار برابر تعاقب میں دوڑ رہی تھی۔

ایک جگہ ایک لمبا موڑ تھا۔سوار نے بڑی احتیاط سے اسے کراس کیا۔مگر موڑ کے اختتام پر گرے ہوئے ایک الیکٹرل پول سے ٹکرانے سے وہ موٹر سائیکل کو نہ بچا سکا۔پہلے ہی جھٹکے میں وہ دس بارہ فٹ فضا میں اچھل گیا۔پھر ایک طویل چیخ کے ساتھ زمین پر گرا اور مچھلی کی طرح تڑپ کر دو تین لمحوں میں وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

تعاقب میں آنے والی کار کی بریکیں کرکراتی ہوئی چیخیں اور موٹر سائیکل سوار سے چند ہی قدم کے فاصلے پر کار رک گئی۔موٹر سائیکل اچھل کر سڑک پر گری تھی اور اس کی مشین اب تک اسی تیزی کے ساتھ گھر گھرا رہی تھی اور پچھلا پہیا اسی طرح برق رفتاری سے گھوم رہا تھا۔

چند لمحو بعد تعاقب میں آنے والی کار کی مشین اسٹارٹ ہوئی، کار بیک کی گئی، پھر اس کا رخ موڑا گیا اور پھر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔چند ہی منٹ بعد اس کی ٹیل لائٹ بھی بارش کی دھند میں ڈوب کر رہ گئی۔

بارش اور ہوا کا زور اتنی ہی شدت پر تھا۔بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک میں بھی کوئی کمی نہیں واقع ہوئی تھی۔بلکہ شاید اس میں اور اضافہ ہی ہو گیا تھا۔کار واپس جانے کے بعد قریب قریب تین چار منٹ تک موٹر سائیکل سوار بے حس و حرکت پڑا رہا۔تین چار منٹ کے بعد اس نے بڑی آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔اس کا سارا لباس کیچڑ میں لت پت ہو گیا تھا۔فیلٹ ہیٹ دور جا گری تھی۔سر کے بالوں میں کیچڑ اور مٹی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔چہرے پر بھی کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔آنکھیں بند تھیں تب تک محفوظ تھیں، مگر آنکھیں کھلتے ہی ان میں پانی اور مٹی بھر گئی۔اس نے بڑی سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو رگڑنا چاہا، مگر شدتِ تکلیف سے وہ کراہ اٹھا۔اس کا صرف ایک ہاتھ کام کر رہا تھا دوسرا بازو بے حس تھا، اس کی ہڈیاں دو جگہ سے ٹوٹ گئی تھیں۔کہنی

Akram Allahabadi

چیخ گئی تھی اور پہنچا اس طرح جھول رہا تھا، جیسے ربڑ کا لگا دیا گیا ہو۔ سوار شدتِ درد سے بلبلا اٹھا، دوسرے ہاتھ میں صرف خراشیں تھیں۔ اس نے دوبارہ سختی سے آنکھیں میچ لیں اور انھیں زور زور سے رگڑ ڈالا۔ پھر جب آنکھیں کھولیں تو وہ صاف تھیں مگر ہر بار کھولنے سے پانی بھر جاتا تھا۔ لہٰذا اسے پھر آنکھیں بند کر لینا پڑتی تھیں۔

سوار نے بڑے دھیرے سے کروٹ بدلی اور کئی لمبی لمبی کراہیں اس کے حلق سے نکل گئیں، کیوں کہ کروٹ لینے پر کولہوں میں تکلیف کی شدت کا احساس ہوا تھا۔ اس کے داہنی سمت کے کولہے کی ہڈی شاید کئی جگہ سے چٹخ گئی تھی۔

ایک ہاتھ کی مدد سے وہ بڑی دقت سے اٹھ کر بیٹھ سکا اور بیٹھنے کے بعد جب اس نے کھڑا ہونے کا ارادہ کیا تو اس کا دل کانپ کر رہ گیا۔ ٹانگوں کا درد اس وقت تک صرف درد ہی تھا مگر اب معلوم ہوا تھا کہ دونوں گھٹنوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ تکلیف کی شدت کا یہ حال تھا کہ اب اس میں کراہنے کی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی۔

سردی بے حد شدید تھی، اوپر سے پانی میں بھیگا ہوا لباس اور پھر شدید ہواؤں کے طوفانی جھکڑ۔ مگر اسے سردی کی شدت کا تو قطعی احساس ہی نہ تھا۔ بھلا اتنی شدید تکلیف میں سردی کی شدت کا احساس ہو ہی کیسے سکتا تھا۔ اس کے جسم کی بے شمار ہڈیاں ٹوٹ کر رہ گئی تھیں، اور جسم...؟ جسم کی بجائے پھوڑے میں بھرا ہوا مواد کا ڈھیر معلوم ہو رہا تھا۔

سر میں بھی شاید شدید چوٹ آئی تھی، خون بھی بہا تھا۔ شاید سر پھٹ بھی گیا تھا، کیوں کہ سر کا خون بہہ کر چہرے پر پھیل گیا تھا اور خون اور کیچڑ کے امتزاج سے پھٹا ہوا چہرہ انتہائی بھیانک معلوم ہونے لگا۔ شاید اس وقت وہ خود بھی آئینے میں اپنی شکل دیکھتا تو چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتا۔

اس وقت اسے اپنے جسم میں بھیگا ہوا لباس بھی ایک ہزار من کا بوجھ لگ رہا تھا۔ اس کی طبیعت چاہ رہی تھی کہ وہ اوور کوٹ اتار کر پھینکے، مگر اس کی حالت اس قابل نہ تھی کہ اسے اتار

کر پھینک سکتا۔ وہ شخص انتہائی زبردست دل گردے کا مالک معلوم ہوتا تھا، ورنہ اس کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس نے سانسیں لینا بھی چھوڑ دیا ہوتا، نہیں تو کم از کم بے ہوش ضرور ہو گیا ہوتا۔ مگر وہ شخص تو بے ہوش تک نہیں ہوا تھا، البتہ اس کے چہرے پر شدید ترین تکلیف کے آثار موجود تھے۔

بارش کا طوفانی زور اپنی معراج پر تھا۔ اس سے چند ہی گز کے فاصلے پر گری ہوئی موٹر سائیکل کی مشین اب تک چالو تھی، جس کی گھر گھراہٹ اب بھی اس کی سماعت سے پانی اور طوفان کے شور کے ساتھ ٹکرا رہی تھی۔

اس نے بڑی آہستگی سے گردن گھمائی۔ گردن گھماتے گھماتے مارے تکلیف کے اس کے حلق سے ایک طویل کراہ نکل گئی۔ اس نے داہنی سمت بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ یہ ایک بلند و بالا بلڈنگ تھی مگر اس کا نچلا حصہ مارکیٹ تھا، دکانیں مقفل تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی طوفانی رات میں پونے بارہ بجے کے قریب دکانیں کیا کھل رہی ہوتیں۔

کسی دکان کے تختے کے نیچے سے کسی سردی کھائے ہوئے کتے نے منہ نکال کر رونا شروع کر دیا۔ مگر بارش کے زور میں اس کی باریک آواز مدغم ہو کر رہ گئی۔

موٹر سائیکل سوار نے بڑی آہستگی سے بائیں سمت گردن گھمائی، ادھر بھی دکانوں کی قطار رہی تھی اور دکانیں، ظاہرہ ہے کہ مقفل ہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں کے درمیان سے شدید ترین تکلیف کے باعث کراہوں میں ڈوبی ہوئی ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی۔

اس نے بڑی بامید نگاہوں سے سامنے کی سمت دیکھا۔ بجلی زور سے چمکی، اور کافی دور تک بارش کے چھینٹوں کی دھند میں ڈوبی ہوئی سڑک نظر آئی، مگر وہ قطعی سنسان اور ویران پڑی تھی۔

پیچھے موٹر سائیکل کی مشین اب تک چالو تھی۔

عین اسی وقت ہوا کا ایک شدید جھونکا آیا اور بوچھاڑ کا رخ پلٹ کر اس کے چہرے

پر پڑا اور اسے ایسا لگا جیسے کسی نے بے شمار ننھی ننھی کنکریاں اس کے چہرے پر کھینچ ماری ہوں۔ ایک لمحے کے لیے اس کی پلکیں جھپک کر رہ گئیں۔ دوسرے ہی لمحے بجلی چمکی اور سوار چونک گیا۔

اس نے سڑک پر کچھ ہی فاصلے پر ایک ٹیلی فون بوتھ دیکھا تھا۔

بوتھ کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز کا رہا ہوگا، مگر وہ دس گز... خدا کی پناہ! اس وقت تو اس کے لیے وہ دس گز بھی دس ہزار میل سے کم نہ تھے۔ پھر بھی ٹیلی فون بوتھ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی۔

قریب ہی کہیں کوئی گھنٹہ گھر بارہ کے گھنٹے بجا رہا تھا۔ یعنی اسے چوٹ لگے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے۔ پندرہ بیس منٹ قبل لگی ساری چوٹیں ٹھنڈی ہو چکی تھیں۔ گرم گرم چوٹوں میں تکلیف کی شدت زیادہ نہیں محسوس ہوتی، مگر چوٹیں جب ٹھنڈی ہو جاتی ہیں تو وہ بعض اوقات تو ناقابلِ برداشت بھی ہو جاتی ہیں اور پھر وہ لاتعداد چوٹیں جسم پر کھائے بیٹھا تھا۔ سر پھٹا ہوا تھا، چہرے پر خراشیں تھیں، بایاں بازو چوٹیلا تھا، داہنے بازو کی ہڈیاں ہی ٹوٹ گئی تھیں، ایک کولہے کی ہڈی کئی جگہ سے چٹخ گئی تھی، ٹانگوں میں دونوں گھٹنوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ کوئی معمولی دل گردے والا انسان تو اب تک مر بھی چکا ہوتا۔ مگر وہ شاید فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ وہ اب تک بے ہوش بھی نہیں ہوا تھا، مگر چوٹیں ٹھنڈی ہونے پر تکلیف کی شدت بڑھی اور اس پر غشی سی طاری ہوئی۔ ذہن میں طوفان کا شور گھسنے لگا، جسم میں سنسناہٹ سی پیدا ہونے لگی۔

عین اسی وقت بڑی زور سے بادل گرجے اور بجلی کڑک کر کہیں قریب ہی گری اور غشی طاری ہوتے ہوتے وہ شخص چونک پڑا۔ اس کے ذہن نے ایک بار پھر سنبھالا۔ اس نے اپنے سر کو اس طرح دھیرے سے جھٹکا جیسے تکلیف کی شدت کا احساس دل سے نکالنا چاہتا ہو، پھر بڑی ہی مضبوطی سے دانتوں کو بھینچ لیا، اتنی ہی مضبوطی سے کہ خود اس کے دانت دکھنے لگے۔

ایک بار پھر اس نے گردن گھمائی۔ ٹیلی فون بوتھ پھر بجلی چمکنے پر نظر آیا اور اس کی

آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی چمک عود کر آئی، ایک ایسی چمک جس سے ایک عزم جھلک رہا تھا، جس میں اس کی قوت ارادی کی مضبوطی نمایاں تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ سڑک پر بڑی آہستگی سے لیٹ گیا۔ کیچڑ میں اس کا سر چھپ سے ہو کر رہ گیا۔ بالوں میں اور کیچڑ بھر گیا۔ زخم پچھلے حصے میں بھی تھا، چنانچہ زخم میں بھی مٹی اور کیچڑ بھرنے سے تکلیف بڑھ گئی مگر اس نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے تھے۔ وہ اس طرح آنکھیں بند کیے ہوئے تھا جیسے اب تکلیف کا خیال اس کے نزدیک ہی نہ آئے گا یا جیسے تکلیف پلکوں اور دھانے ہی کے راستے سے انسان کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔

پھر اس نے بڑی آہستگی سے پلٹی لی۔ اور الٹا ہوتے ہوئے اس کے ہونٹوں میں بے شمار کراہیں گھٹ کر رہ گئیں۔ پتا نہیں وہ کتنی اذیت کے ساتھ الٹا ہو سکا تھا۔ اس کے بعد اس نے بائیں بازو کی کہنی زمین پر ٹکائی۔ کہنی میں خراشیں بھی تھیں مگر ان کی تکلیف نا قابلِ برداشت نہیں تھی۔ اس نے کہنی ٹکائی اور تھوڑا سا اوپر کو سرکایا۔

اور پھر بے انتہا برداشت کے باوجود وہ بڑی زور سے کراہ پڑا۔ ٹوٹے ہوئے گھٹنوں کی ہڈیاں سڑک پر کیچڑ سے کرکرا اٹھی تھیں اور اس کا سارا جسم تکلیف کی شدت سے کپکپی میں ڈوب گیا تھا، مگر اس نے ایک بار پھر ہونٹوں کو مضبوطی سے بند کیا۔ اب اس کی سانسیں بھی ایس اکھڑی اکھڑی چل رہی تھیں، جیسے اب دم نکلا اور تب نکلا۔

ایک بار بجلی بہت زور سے کڑکی اور فضا دور تک روشنی میں نہاتی چلی گئی۔ سوار نے ٹیلی فون بوتھ کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا، دور ضرور ہے مگر کچھ فاصلہ تو کم ہی ہو چکا ہے۔ ایک بار پھر اس نے دانتوں پر دانت جمائے اور ہمت کر کے کھسکا۔ اس بار کئی انچ کھسکتا چلا گیا۔ پھر رکا ذرا دیر ستایا اور پھر کھسکا۔

"بارش کا زور مسلسل تھا۔ بادلوں کی گرج بھی بدستور تھی۔ قریب ہی کلاک نے ساڑھے بارہ کا گھنٹہ بجایا۔

اب سوار موٹر سائیکل کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔اس کی مشین اب تک چالو تھی۔ پہیہ بڑی تیزی سے گھوم رہا تھا۔مشین کی گھر گھراہٹ پانی کے شور میں اضافہ کر رہی تھی۔

موٹر سائیکل کے نزدیک پہنچ کر سوار نے کئی منٹ تک دم لیا۔اس کے سر سے کافی خون بہہ چکا تھا اور ہاتھ میں بھی اب جان بہت کم رہ گئی تھی۔مگر کال بوتھ کا فاصلہ کافی کم ہو گیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا منزل دور نہیں ہے۔منزل قریب ہے،منزل قریب ہے۔وہ مر رہا ہے لیکن اس کے مرنے سے لاکھوں جانیں ضائع ہو جائیں گی۔اسے ہمت کرنی چاہیے،اسے ہمت کرنی چاہیے۔انسان کی قوت ارادی مضبوط ہو تو وہ اس وقت تک نہیں مر سکتا، جب تک کہ خود نہ مرنا چاہے۔وہ ابھی نہیں مر سکتا،وہ ابھی نہیں مرے گا۔

وہ کھسکتا رہا اور سوچتا رہا۔

اس کی ذرا سی ہمت لاکھوں جانیں بچا سکتی ہے۔اس کی چند منٹ کی مزید زندگی سینکڑوں زندگیوں کی ضامن بن سکتی ہے۔وہ نہیں مرے گا، وہ نہیں مرے گا،وہ نہیں مرے گا، وہ ابھی نہیں مرے گا۔

وہ سوچتا رہا اور قوت ارادی کے سہارے کھسکتا رہا۔رفتہ رفتہ پانی کی رفتار بھی اب کم ہوتی جا رہی تھی۔ہواؤں کا شور بھی اب گھٹتا جا رہا تھا۔بجلی البتہ چمک چمک کر اسے احساس دلا رہی تھی کہ کال بوتھ کا فاصلہ اور کم ہو گیا اور گھٹ گیا ہے۔

کلاک ٹاور نے ایک کا گھنٹہ بجایا۔

بجلی چمکی۔اب کال بوتھ کا فاصلہ صرف چند فٹ رہ گیا تھا۔سوار کا دم اکھڑنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔اسے اردگرد کی اشیاء دھندلی نظر آنے لگی تھیں۔غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ذہن سناٹوں میں ڈوبتا جا رہا تھا،مگر ایک بار اس نے پھر سنبھالا لیا اور کھسکنے لگا۔

سوار نے کال بوتھ سے سر ٹکا دیا اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔اب اس کا دم بری طرح اکھڑ رہا تھا۔بایاں بازو بھی جواب دینے لگا،مگر اب وہ منزل پر پہنچ چکا تھا۔بجھتا ہوا چراغ ایک

بار بھڑکتا ضرور ہے۔

سوار نے ایک بار ایسا محسوس کیا جیسے اس میں بے پناہ قوت عود کر آئی ہو اور وہ گھستا ہوا کال بوتھ کے اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر سستا کر اس نے رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا، رسیور اونچا ضرور تھا مگر سوار کافی لمبا تڑنگا انسان تھا۔ اسے صرف ذرا سا اچکنا پڑا اور اس کا ہاتھ رسیور تک پہنچ گیا۔

اس نے رسیور اتار کر نیچے ڈال دیا اور بجلی چمکنے کا انتظار کرنے لگا۔ بجلی چمکی اور اس نے ڈائل کے ایک ہندے پر انگلی رکھ دی پھر وہ رک رک کر سوچ سوچ کر ڈائل گھماتا رہا۔ اور آخر نمبر گھمانے کے بعد اس نے کال بوتھ کی ایک سائڈ سے کمر لگالی۔ اب رسیور اس کے ہاتھ میں تھا، اس نے رسیور کان سے لگایا اور اس کا ہاتھ کپکپا اٹھا۔ اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔

رسیور میں آواز آ رہی تھی۔ ''ہیلو، کون صاحب ہیں؟ ہیلو پلیز۔''

''او... ہیلو۔'' سوار نے لہراتے ہوئے ذہن کو سنبھال کر کہا۔ ''خ... خان... صص... صا... حب؟''

''آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''خان صاحب کی کوٹھی نہیں ہے، یہ پولیس اسٹیشن ہے۔''

''ہاں... خان صاحب... کے... فف... فون نمبر... مم... معلوم... نہیں ہیں... با... بتایئے۔''

''اوہ، آپ کچھ بیمار ہیں؟''

''ہاں۔''

''آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔ خان صاحب کے نمبر کیوں چاہئیں؟''

''نمبر... جلدی...'' سوار کا ذہن ایک بار پھر ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

دوسری طرف سے نمبر بتائے گئے۔ سوار نے رسیور زمین پر ڈال دیا اور سائڈ سے

Akram Allahabadi

پشت لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ چند لمحے بعد بادل زور سے گرجے اور وہ پھر دھیرے سے چونکا۔شاید وہ بہت ہی مضبوط اعصاب کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔اسکے ذہن میں خان کے نمبر اب تک محفوظ تھے۔اس نے ڈائل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔اس کا انداز بھی شان دار تھا۔

قریب کا کلاک ناور ڈیڑھ کا گھنٹہ بجا رہا تھا۔

نمبر ڈائل ہو چکے تھے مگر اب سوار کے ہاتھ میں اتنی سکت نہ تھی کہ رسیور اٹھا کر کان سے لگا سکتا۔بڑی مشکل سے اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے رسیور اٹھایا اور ذہن کو سنبھالا۔ رسیور کان سے لگایا۔اس میں آواز آرہی تھی۔

''ہیلو،خان رسیونگ۔ہیلو...خان رسیونگ۔''

''خ...ا...ن...صاحب۔''سوار کی آواز کی زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے چند الفاظ نکلے۔ایک لمحے رکا پھر بولا۔''لال...بو...رج۔''

''باہر بجلی زور سے چمکی۔اس کے ہاتھ سے رسیور چھوٹ گیا۔وہ رسیور اٹھانے کو جھکا اور پھر اس کا سر زمین سے جا لگا۔سانسیں رک چکی تھیں،نبض ڈوب چکی تھی۔باہر طوفان کا شور بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا اور موٹر سائیکل کے انجن کے شور کی بازگشت بتدریج صاف ہوتی جا رہی تھی۔

(۲)

باہر بہت زور کا طوفان آیا ہوا تھا۔

مگر خان لائبریری کی کرسی پر اس طرح جما ہوا تھا جیسے اسے طوفان کے بارے میں علم ہی نہ ہو۔اس کے سامنے ایک بہت ہی موٹی کتاب کھلی رکھی تھی،غالباً اس کتاب میں ایک ہزار سے کسی طرح بھی کم صفحات نہ ہوں گے۔خان کتاب پر جھکا ہوا تھا اور ایسے انہماک سے مطالعہ میں مصروف تھا جیسے آج ہی رات میں اس کتاب کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔اس کے

دائیں ہاتھ میں ایک سرخ رنگ کی پنسل بھی دبی ہوئی تھی۔ جسم پر سلیپنگ سوٹ کے ساتھ نائٹ گاؤن بھی موجود تھا۔ میز پر قریب ہی ٹی کوزی سے ڈھکی ہوئی چائے کی کیتلی اور ایک پیالی رکھی ہوئی تھی، مگر پیالی میں تھوڑی سی چائے بتلا رہی تھی کہ کیتلی خالی ہو چکی ہے۔

لائبریری میں ساٹھ واٹ کا بلب روشن تھا۔ لائبریری کے روشن دان اور کھڑکیاں مضبوطی سے بند کر دیے گئے تھے تا کہ طوفانی اثر اندرونی ماحول پر نہ پڑے۔ کبھی کبھی ہوا کا کوئی زبردست جھونکا دروازوں اور کھڑکیوں سے ٹکرا جاتا تو ہلکی سی دھمک پیدا ہو جاتی یا کبھی بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج اندرونی فضا پر اثر انداز ہو جاتی تھی۔

اس کے باوجود خان کو انہماک میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا تھا۔ وہ اتنی ہی محویت سے کتاب کے مطالعے میں غرق رہتا، جیسے باہر طوفان نہ آیا ہو صرف مکھیوں کی بھنبھناہٹ گونج رہی ہو۔

اندرونی دروازے کے قریب، ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ خان کا رات کا ملازم بیٹھا ہوا تحیر آمیز نظروں سے خان کے انہماک کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ملازم ایک پہاڑی دیہاتی تھا۔ تمام رات جاگا کرتا تھا اور دن کو سویا کرتا تھا۔ خان نے اسے خاص طور سے رات کو ضروریات کے لیے ہی ملازم رکھا تھا اور بالے نے اس ملازم کا نام 'بوم چند' رکھ چھوڑا تھا۔ ویسے اسے صرف چندو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پہاڑی دیہاتی تھا، لہٰذا سیدھا سادا تھا۔ وہ بوم کے معنی نہیں جانتا تھا، مگر جب اسے بالے بوم چند کہہ کر پکارتا تو وہ بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ لفظ بوم کو کوئی لفظ اچھا سمجھتا تھا۔

فون بھی خان کے قریب ہی میز پر رکھا ہوا تھا۔ آج کل خان کی راتوں کا بیشتر حصہ مطالعہ ہی میں گزرتا کرتا تھا۔ چنانچہ شام ہوتے ہی فون بھی اس کے ساتھ لائبریری میں پہنچ جاتا تھا۔ خان قریباً دس بجے لائبریری میں گھستا تھا اور پھر دو ڈھائی بجے تک وہ مطالعہ میں مصروف رہتا۔ کبھی کبھی تین اور ساڑھے تین بھی بج جاتے تھے۔

Akram Allahabadi

اس دوران میں بوم چند ایک لمحے کے لیے بھی خان کے نزدیک سے نہیں ہٹتا تھا، مبادا خان کو کسی چیز کی ضرورت نا پڑ جائے۔ ویسے خان مطالعہ کے دوران کم از کم تین بار کافی ضرور پیتا تھا، مگر جب تک بوم چند بے کار بیٹھا ہوا خان کی طرف دیکھتا رہتا تب تک اس کی آنکھوں سے تحیر کے آثار نہیں ہٹتے تھے۔ اسے حیرت ہوتی کہ یہ خان کس دھات کا بنا ہوا ہے، وہ گھنٹوں مطالعے میں غرق رہتا تھا مگر اس کی پلک تک نہ جھپکتی تھی۔ حالاں کہ بوم چند خود رات کو جاگنے والا ملازم تھا۔ مگر اکثر رات کو اس کی پلک بھی جھپک ہی جاتی تھی مگر کیا مجال جو خان کی آنکھوں سے نیند کے شائبہ تک کا اظہار ہو جائے۔

اس وقت بھی بوم چند اسی حیرت سے خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رات کے ڈیڑھ کا عمل ہوگا۔ خان اب تک دو بار کافی پی چکا ہوگا اور بوم چند اسی انتظار میں تھا کہ خان کب تیسری بار کافی کا حکم دے اور وہ بھاگ کر حکم بجا لائے۔ خان کے کام میں اسے ایک خاص قسم کی روحانی مسرت محسوس ہوتی تھی۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ خان صاحب نے چونک کر گردن اٹھائی، بوم چند ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا، خان نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''جاؤ کافی تیار کرو۔''

بوم چند اس طرح اٹھا جیسے مشینی عمل کا انسان ہو۔

خان نے رسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو، خان رسیونگ۔''

مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ چند لمحے رک کر خان نے کہا۔ ''ہیلو، خان رسیونگ۔ ہیلو، خان رسیونگ۔''

دفعتاً دوسری طرف سے ایک بہت ہی نحیف اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''خ...ا...ن...صاحب۔...لال...بو...رج۔''

پھر ایسا لگا جیسے رسیور کسی کے ہاتھ سے گر پڑا ہو، کیوں کہ باہر بہت زور سے بجلی

کڑکی تھی۔خان بُری طرح چونک پڑا۔

''ہیلو،ہیلو،کون بول رہا ہے؟ہیلو،ہیلو۔''اس نے کئی بار ریسیور پر ہاتھ مارا۔

مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔خان چند لمحے تک تحیر آمیز نظروں سے ریسیور کی طرف دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔چند لمحے توقف سے ریسیور اٹھایا اور ڈائل پر انگلی گھمائی،پھر ریسیور کان سے لگالیا۔

''ہیلو۔''دوسری طرف سے آواز آئی۔''ایکس چینج آفس۔''

''دیکھیے۔''خان بولا۔''ابھی ان نمبروں پر کہاں سے فون کیا گیا تھا،ذرا بتلایئے گا؟ پھر اس نے اپنے فون نمبر بتلائے۔

''ویٹ اے سیکنڈ،پلیز۔''دوسری طرف سے کہا گیا۔

خان ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔چند لمحے بعد دوسری طرف سے کہا گیا۔

''ان نمبروں پر کال پبلک کال بوتھ نمبر ۱۶ سے کیا گیا تھا۔''

''اوہ۔''خان نے کہا۔''بہت بہت شکریہ۔''

پھر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔عین اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔خان نے ریسیور اٹھالیا۔''ہیلو،خان اسپیکنگ۔''

''اوہ،خان صاحب۔میں انسپکٹر جعفری بول رہا ہوں۔''

''اوہ کہیے،مسٹر جعفری۔اتنی رات میں فون کرنے کی ضرورت کیوں پڑی؟''خان نے پوچھا۔

''ابھی چند منٹ قبل کسی نے آپ کے فون نمبر معلوم کیے تھے۔''

''اوہ،پھر؟''

''اس کی آواز بتلا رہی تھی کہ وہ بہت بیمار ہے یا زخمی ہے۔''

''اوہ،ہاں ہاں،پھر؟''خان سنبھل کر بیٹھ گیا۔

Akram Allahabadi

''میں نے ایکس چینج آفس سے معلوم کیا تھا کہ کال کہاں سے کی گئی ہے، پتا چلا کہ پبلک ٹیلی فون نمبر ۱۶ سے کال کیا گیا ہے کہ آپ کو بھی کال ملی تھی۔''

''آہاں۔'' خان بولا۔ ''ابھی ابھی تو آئی تھی۔ مگر سنیے، کیا آپ کال بوتھ نمبر ۱۶ تک نہیں جا سکتے؟ اب تو طوفان تھم چکا ہے۔''

''اوہ ضرور، جناب۔ آپ حکم دیں اور میں کوتاہی۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے مؤدبانہ لہجے میں کہا گیا۔

''شکریہ۔ دیکھیے اگر کسی قسم کے غیر معمولی حالات ہوں تو مجھے فوراً مطلع کیجیے گا۔''

''بہتر ہے۔''

''میرا خیال ہے۔'' خان بولا۔ ''اب شاید فون کرنے والا مردہ ہی ملے گا۔''

''جی!'' دوسری طرف سے لہجہ تحیر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے۔'' خان بولا۔ ''کیوں کہ جملہ ادھورا ہی رہ گیا تھا۔''

''دیکھیے، میں دیکھتا ہوں۔''

خان نے ڈسکنیکٹ کر دیا۔ رسیور رکھ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا جہاں بوم چندڑ سے لیے ہوئے داخل ہو رہا تھا۔ خان مسکرایا۔

''چندو، تمہیں رات میں ایک لمحے کے لیے بھی نیند نہیں آتی؟''

''جناب، اگر ملازمت کی فکر پھانسی کے تختے پر بھی ہو تو موت بھی انسان سے دور رہے گی۔'' بوم چند نے کہا۔

''مگر تم یہاں کسی بات کے لیے مجبور نہیں ہو، اگر نیند آیا کرے تو بے فکری سے سو جایا کرو۔''

''حضور کا کرم ہے۔'' بوم چند نے ہاتھ جوڑ لیے۔

خان کافی پیالی میں انڈیلنے لگا۔ پہلا گھونٹ لے کر اس نے بوم چند کی طرف دیکھا

Akram Allahabadi

اور پوچھا۔

"بالے واپس آ گیا؟"

"پتا نہیں، صاحب۔"

"دیکھ کر آؤ۔"

بوم چند چلا گیا۔ خان کافی کے گھونٹ لیتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بوم چند واپس آ کر بولا۔

"حضور، ابھی نہیں آئے بالے صاحب۔"

"ہوں۔" خان صرف سوچتا رہا۔

پھر بوم چند دروازے کی نزدیک جا بیٹھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ اب کافی ختم کرتے ہی خان پھر کتاب کے مطالعے میں غرق ہو جائے گا، مگر ادھر اس نے کافی ختم کی ادھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ خان نے رسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو، خان صاحب۔ میں انسپیکٹر جعفری بول رہا ہوں۔ کال بوتھ نمبر ۱۶ میں ایک لاش موجود ہے۔ حالات کافی غیر معمولی ہیں۔ میں آپ کا منتظر ہوں۔"

"میں آ رہا ہوں۔"

خان نے رسیور رکھ دیا اور اٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ لائبریری سے باہر نکل رہا تھا اور بوم چند اسے احمقوں کی طرح آنکھیں پھاڑے جاتے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

قیمہ اور ریزے

رقص کا یہ چوتھا راؤنڈ تھا۔

مگر بالے بے حد اداس تھا، کیوں کہ اسے چوتھے راؤنڈ میں بھی فرزانہ ہی کو پارٹنر بنانا پڑا تھا۔ حالاں کہ اب فرزانہ کی موجودگی بھی اس کے لیے باعثِ کوفت ہوتی تھی۔ اس کی تبدیلی پسند فطرت روز نئی ہم رقص چاہتی تھی۔ لیکن ادھر کافی عرصے سے کسی نئی لڑکی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، لہٰذا بالے فرزانہ ہی کو گھسیٹ رہا تھا۔

خود فرزانہ بھی بالے کے پیچھے لگی پھرتی تھی۔ ادھر شام ہوئی اور وہ کوٹھی میں آن موجود ہوئی، پھر وہ کسی روز بالے کی طبیعت نہ بھی چاہتی ہوتی تب بھی اسے کلب تو آنا پڑتا تھا اور فرزانہ اسے حد سے زیادہ بور کر دیتی تھی۔

بالے اب تک دوسروں کو بور کرتا آیا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ اسے کوئی بور نہیں کر سکتا، مگر فرزانہ سے ملاقات کے بعد اسے یہ دعویٰ واپس لینا پڑ گیا تھا۔ کیوں کہ فرزانہ اسے اچھی طرح بور کر ڈالتی تھی۔ بلکہ اب تو یہ خیال ہو گیا تھا کہ فرزانہ کی صورت دیکھتے ہی بالے خود ہی بور ہو جاتا تھا۔

اور اس وقت تو اس کی بوریت عروج پر تھی۔

آج بھی فرزانہ حسبِ معمول شام سے ہی اس کے سر پر آسوار ہوئی تھی۔ اور پھر اسے کلب لا کر ہی دم لیا تھا۔ حالاں کہ آج موسم سرِ شام سے ہی اچھا نہیں نظر آ رہا تھا۔ بارش اچھی خاصی رفتار سے ہو رہی تھی۔ ویسے اس وقت تک بارش نے طوفان کی شکل نہیں اختیار کی تھی۔ آج درحقیقت بالے کا دل کلب آنے سے گھبرا رہا تھا اور اس گھبراہٹ کو وہ کسی حادثے ہی کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا، مگر فرزانہ کی ضد کے آگے اسے مجبور ہونا ہی پڑتا تھا۔

Akram Allahabadi

وہ فرزانہ کے ساتھ نو بجے ہی کوٹھی سے چل دیا تھا۔اس وقت تک خان باہر سے واپس نہیں آیا تھا، ورنہ وہ ضرور اسے موسم کی خرابی بتلا کر روکنے کی کوشش کرتا۔

بہر حال اب تو وہ آ ہی گیا تھا اور بور ہو گیا تھا۔یہ چوتھا راؤنڈ تھا۔پہلے تینوں راؤنڈز میں فرزانہ ہی اس کی ہم رقص رہی تھی اور اس کے چوتھے راؤنڈ میں بھی فرزانہ ہی اس کی ہم رقص تھی۔باہر موسم نے طوفانی شکل اختیار کر لی تھی، مگر کلب کی چاروں طرف سے محفوظ اور ایر کنڈیشنڈ عمارت پر موسم کی خرابی کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔کلب کی سرگرمیاں ویسے عروج پر تھیں۔

مگر آج کیوں کہ بالے کی طبیعت قدرتی طور پر ہی مضمحل تھی، لہٰذا اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔پچھلے کافی دنوں سے تو اس نے کلب میں کوئی نئی ہم رقص یوں نہ بنائی تھی کہ اسے اپنے معیار کی کوئی لڑکی ہی کلب میں نظر نہ آئی تھی۔کچھ ایسی تھیں جو اس کے معیار پر ہر طرح سے پوری اترتی تھیں تو وہ اس کی پرانی شناسائیں تھیں، جو خود ہی بالے کی قربت کی متمنی رہا کرتی تھیں اور بالے ایسی چیزوں سے بری طرح بدکتا تھا جو آسانی سے حاصل ہو سکیں۔اس کی فطرت میں تو یہ بات تھی کہ اس چیز کو حاصل کرنے کی جدوجہد کی جائے جو دسترس سے باہر ہو۔ زندگی کا صحیح لطف انسان تب ہی اٹھا سکتا ہے۔ٹوکرے میں بھرے پھل خرید کھانے میں وہ لطف نہیں ملتا جو درخت پر چڑھ کر توڑنے اور کھانے میں ملتا ہے جس کی کوشش کرنے میں ہاتھوں میں خراشیں بھی آ سکتی ہیں اور سانسیں بھی پھول جاتی ہیں۔مگر اب تک اسے کوئی عورت ہی نظر نہ آئی تھی جسے اس کی طبیعت نے پسند کیا ہو اور جس سے تعارف حاصل کرنے میں تھوڑی بہت دشواریوں کا بھی امکان ہو۔اس لیے وہ اکتایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔فرزانہ اسے چھیڑ چھیڑ کر موڈ میں لانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر آج معلوم ہوتا تھا کہ وہ موڈ میں نہیں آئے گا۔وہ جب سے آیا تھا تب سے ریکریشن ہال یا رقص گاہ کے کلب کے کسی حصے میں نہیں گیا تھا۔جب فرزانہ کوشش کرتے کرتے تھک گئی تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی جھلاہٹ نظر آئی، مگر پھر بھی اس کے ہونٹوں پر ہنسی ہی نظر آ رہی تھی، وہ بولی۔

''آج تمہارا دم کیوں نکلا ہوا ہے؟''

بالے نے چونک کر فرزانی کی طرف دیکھا۔ جب سے فرزانہ سے اس کی ملاقات ہوئی تھی تب سے آج تک کے عرصے میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے فرزانہ کی آنکھوں میں خفیف سی جھلاہٹ دیکھی تھی۔ بالے کو یہ موقعہ غنیمت نظر آیا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ کبھی نہ کبھی فرزانہ کو غصہ دلا کر ہی مانے گا۔ حالاں کہ اس کی اب تک کی کوششیں ناکام ہی ثابت ہوئی تھیں۔ فرزانہ اس کی باتوں پر غصہ ہونے کی بجائے ہمیشہ ہنس دیا کرتی تھی۔ چاہے وہ کتنی ہی کڑوی سے کڑوی بات کیوں نہ کہہ دیتا۔ فرزانہ اسے اس طرح ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہوا اور بالے خون سے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ ایسے اوقات میں سارہ شدت سے یاد آجاتی تھی جو ذرا سی بات پر بری طرح چراغ پا ہو جاتی تھی۔ بہرحال بے نے فرزانہ کی آنکھوں میں جھلاہٹ دیکھ کر سوچا کیوں نہ آج پھر فرزانہ کو غصہ دلانے کی کوشش کی جائے۔

چناں چہ اس نے فرزانہ کی بات کو اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے فرزانہ نے کچھ کہا ہی نہ ہو اور اپنے چہرے پر اور زیادہ بے زاری کے تاثرات پیدا کر لیے۔ فرزانہ کی آنکھوں میں جو خفیف سی جھلاہٹ نظر آئی تھی وہ اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے کہا۔

''کیا آج نہ بولنے کی قسم کھا کر آئے ہو؟''

''کیوں بور کرتی ہو۔'' بالے نے اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تم سے چھپ چھاپ رقص نہیں کیا جاتا؟''

''کیا میں تمہیں اس لیے لائی تھی کہ تم ہونٹ سی کر بیٹھ جاؤ اور میں اپنا دماغ خالی کرتی رہوں؟''

''میں نے کب کہا تھا کہ مجھے لاؤ۔'' بالے نے بے زاری سے کہا۔

''تم آنا نہیں چاہتے تھے تو وہیں منع کر دیتے۔''

''وہاں انکار کرتا تو تم بور بور کرتے کر تے مار ڈالتیں۔''

''اچھا، میں تمہیں بور کرتی ہوں۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''سو فیصدی بور کرتی ہو۔ بلکہ میں سوچ رہا ہوں اگر کچھ روز تمہارا تبادلہ اور کہیں کا نہ ہوا تو میں ملازمت سے مستعفی ہو کر کہیں دور چلا جاؤں گا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔ ''پھر میں بھی استعفیٰ دے دوں گی اور تمہارے پاس چلی آؤں گی۔ تم شادی کر لینا۔ تمہارے بچے مجھے پیار سے آنٹی کہا کریں گے اور میں بیوی کو تمہارے وہ رومان سنایا کروں گی جو تم نے اس ملازمت کے دوران میں لڑائے ہیں۔''

بالے نے بوکھلا کر فرزانہ کی طرف دیکھا اور پھر فرزانہ نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔ بالے ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اسے اس وقت پھر شکست ہوئی تھی۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ رفتہ رفتہ فرزانہ کو غصہ آتا جا رہا ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ گیا تھا۔ فرزانہ کا قہقہہ بڑا زندگی آمیز تھا۔

بالے نے ایک بار پھر چپ سادھ لی۔

''کیا پھر گونگے ہو گئے۔'' فرزانہ نے ہنس کر پوچھا۔

''بالے کچھ نہ بولا۔ وہ خلا میں دیکھنے کی ایکٹنگ کرتا رہا۔ دفعتاً فرزانہ نے کہا۔

''سنو، بالے، ایک بات سنو۔'' وہ بہت سنجیدہ تھی۔

''کہو۔'' بالے ایک طویل سانس لے کر بولا۔

''اگر تمہاری طبیعت نہ لگ رہی ہو تو چلے جاؤ، میں کم از کم چار بجے کلب چھوڑوں گی۔ کل اتوار ہے، دوپہر تک نیند پوری کی جا سکتی ہے۔''

بالے نے فرزانہ کو گھور کر دیکھا، مگر کچھ بولا نہیں۔ اتنے میں موسیقی ایک چھناکے کے ساتھ رک گئی، رقص تھم گیا اور وہ لوگ ریکریشن ہال میں اپنی میز پر آ بیٹھے۔

Akram Allahabadi

فرزانہ نے بالے سے کہا۔ ''تم نے جواب نہیں دیا؟''

بالے نے اس کی طرف دیکھا اور ایک دوسری میز کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر چونک پڑا، کیونکہ ابھی نصف گھنٹہ قبل تک وہ عورت اس پر نہیں تھی، جو اب بیٹھی تھی۔ وہ تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا، جس کا چہرہ بتلاتا تھا کہ نوجوانی کے دور میں سینکڑوں لڑکیوں کی نگاہوں کا مرکز رہا ہوگا، مگر وہ عورت سینکڑوں نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ریکریشن ہال میں بیٹھے جس مرد کی نظر اس کی طرف اٹھی سو اٹھی ہی رہ گئی، واپس آئی تو پھر تھوڑے تھوڑے توقف سے چوری چوری اٹھتی رہی۔

وہ عورت ہلکے فالسئی رنگ کے نائیلون کی ساڑھی باندھے تھی۔ اس کا الاسٹر کرسی کی پشت گاہ پر پڑا ہوا تھا اور وہ بڑی بے تکلفی سے ہنس ہنس کر اپنے ساتھی سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس کی گفتگو اور ہنسنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ یا تو کسی ویران جگہ میں اس مرد کے ساتھ تنہا بیٹھی ہو یا پھر اسے اردگرد والوں کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔ مگر پھر بھی اس لاپروائی میں الہڑ پن نہیں تھا، ایک خاص رکھ رکھاؤ اور دل کشی تھی۔

''کافی پیو گے؟'' فرزانہ نے بالے کو ٹوکا۔

''ایں؟'' بالے چونک کر فرزانہ کو دیکھنے لگا۔

فرزانہ نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا اور میز پر بیٹھی عورت پر نظر پڑتے ہی فرزانہ نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولی۔

''تب ہی تو میں سوچتی تھی کہ کدھر گئے۔''

''میں کہیں نہیں جاتا۔'' بالے سنجیدگی سے بولا۔ ''لوگ خود ہی میرے پاس آتے ہیں۔''

''انگور کھٹے ہیں، بالے صاحب۔'' فرزانہ نے کہا اور خود ہی ہنسنے لگی۔

''سنو'' بالے نے سنجیدگی سے بولا۔ ''کیا تم میرے سامنے ہنسنا ترک نہیں

کر سکتیں؟''

''کیوں؟'' فرزانہ نے تحیر زدہ انداز میں پوچھا۔

''کیوں کہ تمہاری ہنسی مجھے زہر معلوم ہوتی ہے۔''

''جانتی ہوں، بات گول کرنے کے لیے کوئی بہانہ درکار ہوتا ہے۔'' فرزانہ نے اور زور سے ہنس کر بولی۔

''مجھے تاؤ دلا رہی ہو؟'' بالے جھنجھنایا۔

''نہیں، بالے صاحب، ان صلاحیتوں کا امتحان جن پر آپ کو ناز ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اگر یہی عورت مجھ سے دوستی کی خواہش مند نہ ہوگئی تو، تو میں آئندہ کے لیے کلب آنا ترک کر دوں گا۔''

''ارے، اتنی بڑی قسم نہ کھاؤ۔'' فرزانہ اسے چڑانے لیے لیے بولی۔ ''ورنہ میں ایک اچھے ساتھی سے محروم ہو جاؤں گی۔''

''تم دیکھ لینا، نہ گھوڑا ہی دور ہے نہ میدان۔''

''ناکام گھوڑے دولتی جھاڑ دیتے ہیں۔'' فرزانہ نے قہقہہ لگایا۔

''تو جھاڑو دولتی۔'' بالے جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''ارے ارے۔'' فرزانہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''کیا اس جگہ ہاتھا پائی کرو گے؟''

''جی نہیں، آپ کے لیے ایک علیحدہ اکھاڑہ بنوایا جائے گا۔'' بالے نے جل کر کہا۔

پھر وہ اٹھ کر گیمز روم کی طرف بڑھ گیا۔ فرزانہ نے پلٹ کر دیکھا وہ میز خالی تھی، جس پر وہ عورت اپنے ادھیڑ عمر کے ساتھی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ فرزانہ خواہ مخواہ ہنس پڑی۔ اس میں عادت تھی کہ کبھی کبھی بلاوجہ بھی ہنس پڑتی تھی۔ عادت جو ٹھہری۔

پھر وہ خود بھی اٹھ کر بالے کے پیچھے بڑھی۔ گیمز روم میں اس نے بالے کو دیکھا جو

ایک ایسی ٹیبل کے پیچھے کھڑا ہوا سگریٹ پیپر پر تمباکو رکھ رہا تھا جس پر فلیش ہو رہا تھا۔فرزانہ کو سخت حیرت ہوئی، کیوں کہ اس نے بالے کو کبھی گیمز روم کے اس حصے میں نہیں جاتے دیکھا تھا جہاں فلیش ہوا کرتا تھا۔سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ بالے بڑی توجہ اور دلچسپی سے فلیش ہوتے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً فرزانہ کو وہ عورت یاد آئی جس کی خاطر بالے نے اس کا چیلنج قبول کیا تھا۔اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی پھر وہ عورت بھی اسے ایک ایسی ہی میز پر نظر آئی، جس پر فلیش ہو رہا تھا۔فرزانہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کیوں کہ وہ عورت اتنی تیزی سے تاش کے پتے پھینٹ رہی تھی، جیسے کوئی بہت ہی مشاق کھلاڑ ہو۔اس کے چہرے پر بھی ایک مشاق کھلاڑی جیسی مسکراہٹ تھی۔اس کا ساتھی ایک دوسری میز پر کیرم سے شغل کر رہا تھا۔اور وہ تین اجنبی کھلاڑیوں کے درمیان بیٹھی تھی۔فرزانہ کو شبہ ہونے لگا کہ وہ عورت، عورت ہی ہے یا مرد؟

پھر اس نے بالے کی طرف دیکھا، جو اب سگریٹ کے کش لیتا ہوا دلچسپی سے کھیل دیکھ رہا تھا۔اس نے فرزانہ کو دیکھ لیا تھا، مگر فرزانہ کی طرف سے اس طرح لاپرواہ آ رہا تھا، فرزانہ اس کے لیے قطعی اجنبی ہو۔

فرزانہ مسکرائی اور نزدیک پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیا منتروں سے رام کرو گے؟''

''ہاں۔'' خلافِ توقع بالے مسکرایا۔''تم دوسری میز پر جاؤ اور اس کا کھیل چیک کرو۔''

''اچھا۔'' فرزانہ دھیرے سے ہنسی۔

پھر وہ عورت کی میز کی طرف چلی گئی۔ادھر بالے نے ایک کھلاڑی کا میز کی دراز کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔

''شارپنگ؟ کیوں دوست؟'' وہ مسکرایا۔

''تم کون ہوتے ہو؟'' وہ کھلاڑی جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

کیوں کہ اس کے سامنے شاید کئی ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں موجود تھیں جنہیں وہ ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتا تھا مگر دوسرے کھلاڑی بالے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔ بالے نے کہا۔

''میں رمی کا بادشاہ ہوں، مگر کھیل میں بے ایمانی پسند نہیں کرتا۔ ہار جیت تقدیر پر چھوڑ کر کھیلنے والے مرد کہلاتے ہیں۔''

''تم نے ہمارے کھیل میں کیوں دخل دیا؟'' کھلاڑی اُکھڑ گیا۔

''بے ایمانی اپنے باپ کی بھی پکڑ سکتا ہوں۔''

''تو جاؤ اپنے باپ کی بے ایمانی پکڑو۔''

دوسرے تینوں ساتھی اب تک حیرت سے آنکھیں اور منہ پھاڑے بالے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دراصل انھوں نے اس کھلاڑی کو شارپنگ کرتے نہیں دیکھا تھا، لہٰذا وہ معاملے کی نوعیت ہی نہ سمجھ سکتے تھے۔ اونچی آواز سن کر کچھ دوسرے میزوں کے لوگ بھی ادھر متوجہ ہو گئے تھے، جن میں وہ عورت بھی شامل تھی اور فرزانہ کی توجہ بھی ادھر ہی تھی۔

''بیٹے، میرے سامنے شارپر دوسرا راؤنڈ نہیں کھیل سکتا۔''

''اگر تم میں ہمت ہے تو یہی ہاتھ روک کر دیکھ لو۔''

''تم پتوں کو ہاتھ لگا کر دیکھو۔'' بالے سگریٹ زمین پر ڈالتا ہوا بولا۔

''ابے بھاگ، رستم کی اولاد۔'' وہ شخص بالے کو دیکھ کر حقارت سے مسکرایا اور پتے اٹھا لیے۔

مگر دوسرا لمحہ اس کے لیے بڑا صبر آزما ثابت ہوا۔ صرف ایک ہاتھ لگا تھا جس نے اسے کرسی سمیت پیچھے لڑھکا دیا۔ تن وتوش میں وہ بالے سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ پھر بھرے مجمع میں بے عزتی تو کوئی کم زور آدمی بھی مشکل سے برداشت کر سکتا ہے۔

Akram Allahabadi

دوسرے ہی لمحے وہ اٹھا اور ارنا بھینسے کی طرح بالے پر جھپٹا اور بالے آہستہ سے ایک طرف ہٹ گیا اور وہ سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا۔لوگ بجائے بیچ بچاؤ کرنے کے کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے لگے۔کھلاڑی کا سر دیوار سے ٹکرا کر جھنجنا اٹھا۔شاید وہ کسی بھینسے ہی کے انداز میں بالے کو سر کی ٹکر سے مارنے جا رہا تھا۔

وہ ایک بار پھر پلٹا۔اس بار اس نے گھونسا چلایا تھا،مگر اس کا گھونسا بالے کی کلائی پر رک گیا اور بالے کا گھونسا اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور کراہ کر پیچھے لڑھک گیا۔اتنے میں ہنگامہ کا شور سن کر مینجر بھاگا ہوا چلا آیا۔اس کے ساتھ کئی ویٹر بھی تھے۔

پھر وہ کھلاڑی بالے پر حملہ آوار ہونے ہی جا رہا تھا کہ اسے ویٹروں نے چاروں طرف سے پکڑ لیا اور وہ بے قابو کر دیا گیا۔وہ بری طرح دانت کٹکٹا رہا تھا۔بالے نے لاپروائی کے انداز میں ہاتھ جھاڑے اور جیب سے سگریٹ پیپر کا پیکٹ اور تمباکو کا کاٹن نکالنے لگا۔مینجر بالے کو جانتا تھا۔وہ بوکھلایا ہوا اس کے نزدیک آ گیا۔

''کیا ہوا،بالے صاحب،کیا ہو گیا؟''

''شارپنگ۔''بالے سگریٹ بناتے ہوئے بولا۔''آپ کے کلب میں شارپنگ ہوتی ہے۔''

''کون شارپنگ کر رہا تھا؟''مینجر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''یہ۔سہراب کے استاد۔''بالے کھلاڑی کی طرف اشارہ کر کے مسکرایا۔

''کیوں،مسٹر؟''مینجر غصے میں بھنبھنایا۔''جناب،یہ شریفوں کی تفریح گاہ ہے۔یہاں فلیش تقدیریں بنانے اور بگاڑنے کے لیے نہیں کھلایا جاتا،صرف تفریح طبع کی غرض سے معمولی پیمانے پر لوگ کھیلتے ہیں۔آپ نے یہاں پر شارپنگ کیسے کی؟''

''یہ جھوٹ بولتا ہے۔''وہ کھلاڑی دانت بھینچ کر بولا۔''میں نے یہاں شارپنگ نہیں کیا۔''

''شٹ اپ۔'' بالے نے اسے گھور کر کہا۔ ''تمہارے ساتھی گواہی دیں گے۔''

پھر ان تینوں کھلاڑیوں نے گواہی دی جو اس کھلاڑی کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بالے بڑے اطمینان سے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ دیکھنے والوں میں وہ عورت بھی تھی جس کی خاطر بالے کو یہ سب کچھ بکھیڑا پھیلانا پڑا تھا۔ فرزانہ کچھ ہی فاصلے پر موجود تھی۔

منیجر نے اس کھلاڑی کو اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھا اور خشک لہجے میں بولا۔ ''غالباً آپ اس کلب میں نئے نئے آئے ہیں؟''

''ہاں نیا ہوں۔'' کھلاڑی غرایا۔ ''مگر یہ نہ سمجھو کے کہ تم لوگ مجھے دبا لو گے۔''

''دیکھیے، مسٹر۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ آپ فوراً کلب سے باہر چلے جائیں۔''

''منیجر، تم میری توہین کر رہے ہو۔'' کھلاڑی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''تمہیں یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا۔''

منیجر نے بالے کی طرف دیکھا، بالے نے لاپروائی کے انداز میں سر کو جنبش دی اور منیجر گردن تان کر کھلاڑی سے بولا۔ ''خواہ مخواہ اشتعال انگیز گفتگو نہ کرو، ورنہ ابھی تمہیں نقضِ امن کے جرم میں پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

''آہ، پولیس۔'' کھلاڑی نے گردن کو جھٹکا دیا۔ ''ایسی بہت پولیس دیکھی ہے۔''

بالے نے اسے گھور کر دیکھا پھر ویٹروں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''اسے چھوڑ دو۔''

ویٹروں نے اسے چھوڑ دیا۔ کھلاڑی نے آستین جھٹکی۔ بالے بولا۔

''اب تم کوئی حسرت نکالنا چاہتے ہو یا باہر جا رہے ہو؟''

''مسٹر، دو بازو رکھتا ہوں۔'' کھلاڑی بولا۔ ''اور اپنی بے عزتی برداشت کرنا بھی نہیں جانتا۔''

''اچھا۔'' بالے بڑے پرسکون انداز میں مسکرایا۔

Akram Allahabadi

پھر اس نے سگریٹ بائیں ہاتھ میں لی اور دایاں ہاتھ کھلاڑی کے منہ پر جھاڑ دیا۔ کھلاڑی لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ بالے بولا۔

''چلو، مت برداشت کرو اگلا قدم؟''

کھلاڑی کسی زخمی چیتے کی طرح بالے پر جھپٹا۔ اس بار اس نے گھونسے وغیرہ نہیں چلائے تھے بلکہ اناڑی لڑاکو کی طرح پل پڑا تھا۔ منیجر نے چیخ کر ویٹروں سے اسے پکڑنے کو کہا مگر بالے نے اسے منع کر دیا۔ کھلاڑی کی گردن بالے کے بائیں بازو میں تھی اور کھلاڑی نے بالے کو کولی بھر کر پکڑ رکھا تھا۔ وہ بالے کو گرانے کی فکر میں تھا۔ مگر بالے نے پاؤں مضبوطی سے اڑا رکھے تھے۔

ادھر ادھر کھڑے ہوئے شریف آدمی ان لوگوں کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں ظاہر ہے کہ وہ عورت بھی تھی۔ البتہ فرزانہ سوچ رہی تھی کہ کہیں بالے دھوکہ نہ کھا جائے، کیوں وہ دیکھ رہی تھی کہ کھلاڑی کافی طاقتور تھا، چالاک بھی معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ سابقہ چند داؤں میں اس نے اندازلگا لیا تھا کہ بالے مہذب لڑائی سے ہارنے والوں میں نہیں ہے کہ وہ گنواروں کے انداز میں بھڑ گیا تھا۔

ایک بار کھلاڑی نے پورا زور لگایا اور بالے نے ایک دم ڈھیل چھوڑ دی پھر اس سے قبل کہ وہ سنبھلتا وہ لہراتا ہوا اوندھا زمین کی طرف بڑھا اور اسے اپنا چہرہ بچانے کے لیے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکنے پڑے۔ پھر وہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اس کے داہنے جبڑے پر گھونسا پڑا، وہ چکرا کر گرا پھر اٹھنا چاہا تو بائیں سمت میں کنپٹی پر گھونسا پڑا اور یہ چوٹ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ اب وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ بے ہوش نہ ہوا ہو۔ صرف بے عزتی کے خیال سے بے ہوش بن گیا ہو۔ منیجر نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ بالے بڑے اطمینان سے کالر درست کر رہا تھا۔ لوگ متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھ

رہے تھے۔حالات ایسے تھے کہ کھلاڑی سے کسی کو ہمدردی نہ تھی۔سب کی ہمدردی بالے کے ساتھ تھی اور اس پر بالے کی فتح۔وہ سچویشن کا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔

مینجر نے برا سا منہ بنا کر ویٹروں سے کہا۔"اسے اٹھا کر کلب سے باہر پھینک دو۔

ویٹر اس کی طرف بڑھے،مگر بالے نے ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"نہیں،میجر،اسے فرسٹ ایڈ روم میں لے جاؤ۔یہ زخمی ہے،باہر طوفان آرہا ہے۔"

لوگوں نے ایک بار حیرت و تحسین کے ملے جلے تاثرات کی نگاہوں سے بالے کی طرف دیکھا اور فرزانہ کو دھرم پور گاؤں والا جگو یاد آ گیا،جب اس نے جگو کے روپ میں رام گوپال کی مرمت کی تھی اور رام گوپال کو زخمی ہونے ہونے پر اس کی مرہم پٹی کی تھی۔

مینجر کھلاڑی کو اٹھوا کر گیمز روم کے باہر لے گیا اور بالے بڑے اطمینان سے ان تینوں کھلاڑیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"جناب،آپ نے تو ہماری کئی ہزار کی رقم بچا دی۔ہم لوگ آپ کے شکر گزار ہیں۔"

"میں کھیل میں بے ایمانی پسند نہیں کرتا۔"بالے نے برا سا منہ بنایا۔"جو بذات خود ایک بڑا کھیل ہے،تفریح کی خاطر کھیلا جائے تو کوئی بری بات نہیں،لیکن اس میں بھی برائی پیدا کر لی جائے تو..."

"آپ رمی کے بادشاہ ہیں۔"دوسرا مسکرایا۔

"اس میں کیا شک ہے۔"

"تو آیئے،دو دو ہاتھ رمی کے ہی ہو جائیں۔"

"ضرور۔"بال مسکرایا۔

وہ شخص پتے پھینٹنے لگا۔دوسری میز پر اس عورت نے ایک بار پھر کھیل شروع کر دیا تھا اور فرزانہ اس عورت کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔اس کا اندازہ تھا کہ یہ عورت بہت زیادہ

Akram Allahabadi

مشاق کھلاڑی ہے۔وہ اب تک اپنے کسی بھی ساتھی سے ہاری نہیں تھی۔کافی دیر تک کھیل ہوتا رہا۔فرزانہ اس عورت کا کھیل دیکھ دیکھ کر متحیر ہوتی رہی۔ادھر بالے کا کھیل بھی اس کی نظر میں تھا۔اس نے بالے کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر دیکھا۔ادھر اس عورت کے سامنے نوٹوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔فرزانہ سوچ رہی تھی شاید اس وقت پورے کھلاڑیوں میں دو ہی کھلاڑی اچھے ستارے لے کر آرہے ہیں، بالے یا وہ عورت۔مگر بالے، فرزانہ کی حیرت تھی کہ بالے بھی اتنا اچھا کھیل لیتا ہے۔حالاں کہ اتنے عرصہ کے ساتھ میں اس نے کبھی بالے کو جوا کھیلتے نہیں دیکھا تھا۔

شاید آدھ گھنٹہ کے بعد ہی بالے کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''بس، جناب۔''ایک بولا۔''اب ہارنے کی تاب نہیں۔''

''آپ سے تو وہ شار پر بہتر تھا۔'' دوسرا مسکرایا۔''جو تیسری چوتھی باری جتا تو دیتا تھا۔''

''آپ لوگوں کی مرضی۔''بالے مسکرایا۔''یہ نوٹ اٹھا لیجیے۔''

''جی؟۔''وہ لوگ حیرت سے بالے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بات یہ ہے۔''بالے مسکرا کر بولا۔''میں اتنا کھلاڑی نہیں ہوں۔نہ ہی میں بزنس کے بطور کھیلتا ہوں۔بس کبھی کبھی ماحول کی یکسانیت میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے کھیل لیتا ہوں۔مجھے ان رقموں کی ضرورت نہیں۔''

پھر وہ لوگ حیرت سے دیکھتے ہی رہ گئے۔بالے نے صرف وہ پانچ بڑے نوٹ اٹھائے جو اس نے کھیل شروع کرتے وقت جیب سے نکالے تھے اور اٹھ گیا۔وہ فرزانہ کے قریب پہنچ کر بولا۔

''چلو، فرزانہ۔''

''کہاں؟''فرزانہ چونک کر بولی۔

فرزانہ عورت کے پیچھے کھڑی تھی۔عورت نے پلٹ کر بالے کی طرف دیکھا،مگر بالے فرزانہ سے مخاطب تھا۔

''تھک گیا ہوں،کافی پئیں گے۔''

''سنیے۔''اس عورت نے بالے کو مخاطب کیا۔

''فرمایئے؟''بالے نے لاپروائی سے پوچھا۔

''آپ رمی کے بادشاہ ہیں؟''

''جی ہاں،پھر؟''بالے کا لہجہ خشک تھا۔

''میں اپنے حلقوں میں رمی کی بیگم کہلاتی ہوں۔''عورت مسکرائی۔''مجھے لیڈی سرفراز کہتے ہیں۔''

''کیا آپ مجھے چیلنج کر رہی ہیں؟''بالے نے کہا۔''میں بالے ہوں۔''

''یہی سمجھ لیجیے۔''لیڈی سرفراز مسکرائی۔''آیئے۔''

''بالے بیٹھ گیا۔لیڈی سرفراز کے ساتھیوں نے ہاتھ روک لیے۔غالباً وہ بھی بہت ہار چکے تھے۔پھر وہ تینوں معذرت کر کے اٹھ ہی گئے۔لیڈی سرفراز نے جیتے ہوئے نوٹوں کو سمیٹ کر ایک طرف کیا اور پتے پھینٹنے لگی۔مگر فرزانہ،بالے کے اشارے پر برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔بالے نے جیب سے وہی سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر میز پر رکھ لیے۔لیڈی سرفراز نے مسکرا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا اور بولی۔

''بس،کیا زیادہ دیر کھیلنے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''فکر نہ کیجیے،تمام رات کھیل سکتا ہوں۔''بالے لاپروائی سے بولا۔

''اوہو،بہت بھروسہ ہے اپنے کھیل پر۔''

''اب دیکھ لیجیے گا۔''

''ضرور۔''لیڈی سراز مسکرائی۔

کھیل شروع ہوگیا۔فرزانہ دونوں کا کھیل حیرت سے دیکھتی رہی ۔دونوں ہی ٹکر کے کھلاڑی ثابت ہوئے اور سوچ رہی تھی کہ دیکھیں کہ اب کون جیتتا ہے ۔ویسے اسے بالے کی صلاحیتوں کا ایک بار پھر دل میں معترف ہونا پڑا تھا۔بالے نے دعویٰ کیا تھا اور لیڈی سرفراز نے خود ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

کھیل کو آدھا گھنٹا گزر گیا تھا اور بالے کے سامنے صرف ایک نوٹ رہ گیا تھا۔مگر بالے کے چہرے پر ایسا ہی اطمینان تھا جیسے وہ اب تک جیتتا ہی رہا ہو۔فرزانہ سوچ رہی تھی کہ بالے،لیڈی سرفراز سے حشر تک نہ جیت سکے گا۔حالات یہی بتلا رہے تھے۔لیڈی سرفراز کھیلتی جا رہی تھی اور ہر جیت پر دل کھول کر ہنستی تھی،مگر بالے اس طرح سنجیدہ رہتا جیسے لیڈی سرفراز کی ہنسی کو حماقت سمجھ رہا ہو۔جب اس نے آخری نوٹ بھی داؤ پر لگا دیا تو لیڈی سرفراز ہنس کر بولی ۔

''اب رہنے دیجیے،ورنہ ٹیکسی کا کرایہ بھی نہ رہے گا۔''

''فکر نہ کیجیے،میرے پاس گاڑی موجود ہے۔''بالے مسکرایا۔

ویسے فرزانہ کو لیڈی سرفراز کا جملہ برا لگا تھا۔اس نے اپنی وینٹی بیگ کھول کر سو سو کے تین نوٹ بالے کے سامنے ڈال دیے۔لیڈی سرفراز مسکرا کر بولی ۔

''اوہ،مسز بالے کو شاید میری بات ناگوار گزری۔میں معافی چاہتی ہوں۔''

''یہ میری دوست ہیں۔''بالے نے جلدی سے کہا۔پھر فرزانہ سے مخاطب ہو کر بولا۔''فرزانہ،انھیں تم اپنے پاس رہنے دو۔''

فرزانہ،مسز بالے کا لفظ سن کر سرخ ہوگئی تھی۔اس نے خاموشی سے نوٹ واپس رکھ لیے۔کھیل پھر شروع ہوگیا۔

پھر ایک گھنٹا گزر گیا اور ایک گھنٹے کے بعد لیڈی سرفراز نے وینٹی بیگ جھاڑتے ہوئے کہا۔

''بس کیجیے،بالے صاحب۔میرے پاس تو واقعی ٹیکسی کا کرایہ بھی نہیں بچا۔''

فرزانہ، بالے کی طرف تحیر زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور بالے کے سامنے چھ سات ہزار کے بڑے نوٹوں کا ڈھیر لگا تھا۔ان میں صرف پانچ سو بالے کے اپنے تھے باقی لیڈی سرفراز کے اپنے اور پہلے تینوں ساتھیوں سے جیتے ہوئے روپے تھے۔

بالے مسکرا کر بولا۔"دراصل میں چاہتا ہوں کہ بازی رات بھر ختم نہ ہو اسی لیے پہلے چار سو ہار دیے تھے۔اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اب آپ کا پرس خالی ہوگیا ہے تو پھر ہارنا شروع کر دیتا۔"

"مجھے اعتراف ہے۔"لیڈی سرفراز مسکرائی۔"آپ واقعی رمی کے بادشاہ ہیں۔"

"شکریہ۔"بالے نے اپنے پانچ نوٹ اٹھا لیے اور جیب میں رکھتے ہوئے باقی نوٹ لیڈی سرفراز کی طرف بڑھا دیے۔"آپ کی امانت۔"

"کیا مطلب؟"لیڈی سرفراز متحیر لہجے میں بولی۔

"میں بزنس کے لیے نہیں کھیلتا،صرف شوق ہے اور ایک فن۔ایسی کمائی پر میں ایک سال میں بارہ کاریں اور بارہ کوٹھیاں ضرور خرید سکتا ہوں،مگر میرے پاس کوئی کار نہیں۔بڑے بھائی کے یہاں خیرات پر رہتا ہوں۔"

لیڈی سرفراز نے ہاری ہوئی رقم لینے سے انکار کر دیا۔مگر بالے کے مجبور کرنے پر اسے لینا ہی پڑے۔اس کے بعد بالے،فرزانہ سے مخاطب ہوا۔

"چلو فرزانہ،کافی پیئیں گے۔"

"اوہ۔"لیڈی سرفراز بولی۔"کیا کافی کے دور میں آپ لوگ ہمارا ساتھ دینا پسند کریں گے۔میں اب رمی کھیلتے کھیلتے تھک گئی ہوں۔"

"کیوں نہیں،ضرور۔"بالے مسکرایا۔

لیڈی سرفراز نوٹ پرس میں ٹھونس کر اٹھ گئی۔پہلے وہ اپنے ادھیڑ عمر ساتھی کے قریب گئی۔وہ اب تک کیرم پر ہی جما ہوا تھا۔لیڈی سرفراز نے اس سے کہا۔"چلو،ڈارلنگ۔میں

تھک گئی ہوں۔اب کافی پئیں گے۔"

"اوہ،ضرور۔"اس کا ساتھی فوراً اٹھ گیا۔

لیڈی سرفراز بالے اور فرزانہ سے ادھیڑ عمر والے کا تعارف کرایا۔

"یہ سرفراز صاحب،میرے ہسبینڈ اور یہ میرے نئے دوست مسٹر بالے اور ان کی دوست مس فرزانہ۔"

"گلیڈ ٹو میٹ یو۔"سرفراز نے مسکرا کر ہاتھ ملایا۔

پھر وہ لوگ گیمز روم سے نکل کر ریکریشن ہال میں آ گئے۔بالے اور فرزانہ کو لیڈی سرفراز اور سرفراز کے ساتھ ہی بیٹھنا پڑا۔بالے فرزانہ کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور فرزانہ بار بار اعتراف کے طور پر اثبات میں گردن ہلا کر رہ جاتی تھی۔

لیڈی سرفراز نے ایک ویٹر کو بلایا اور اس سے چار کپ کافی اور چار گلاس پانی کے لیے کہا اور بالے سے مخاطب ہوئی۔"کیا آپ طالبِ علم ہیں۔"

"جی نہیں۔"بالے مسکرا کر بولا۔"می محض ایک اسٹینوگرافر ہوں۔ایک پرائیوٹ فرم میں سروس کرتا ہوں۔"

"اوہ۔"لیڈی سرفراز نے یقین نہ کرنے کے انداز میں کہا۔

یقین نہ آنے والی بات بھی تھی۔بالے کے جسم پر اس وقت جو سوٹ تھا اس کی قیمت ہی اتنی ہوگی جتنی ایک اسٹینوگرافر کی مہینے بھر کی تنخواہ ہو سکتی ہے۔تھوڑی دیر بعد ویٹر چار گلاس پانی کے لا کر میز پر رکھے۔لیڈی سرفراز نے اپنا گلاس اٹھا کر پانی پیا۔باقی تینوں گلاس رکھے رہے۔لیڈی سرفراز نے بالے کو بتلایا کہ اس کا شوہر سرفراز ایک بہت بڑے کپڑے کی مل کا مالک ہے۔ویٹر نے کافی لا کر میز پر رکھ دی۔بالے اور فرزانہ اور لیڈی سرفراز نے کافی اپنی طرف بڑھا کر چسکی لی اور سرفراز نے پانی کا گلاس اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا۔پھر اس نے گلاس میز پر رکھا ہی تھا کہ ایک ایسا دھماکہ ہوا جیسے کوئی معمولی ریوالور چل گیا ہو۔

Akram Allahabadi

پھر لوگوں نے دیکھا کہ سرفراز اپنی کرسی سے غائب تھا۔ یہ ایک علیحدہ بات تھی کہ اس کے جسم کے قیمے کے ٹکڑے اور ہڈیوں کے ریزے ان کے چہرے اور لباسوں پر بری طرح چپک گئے تھے۔ اس قیمے اور ہڈیوں کے ریزوں سے اردگرد کے لوگ بھی محفوظ نہ رہے تھے۔ سرفراز کے لباس تک کا پتا نہیں تھا۔

بڑی دیر تک تو لوگوں کی سمجھ میں یہی نہیں آیا کہ ہوا کیا؟

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عجیب حادثہ

طوفان تھم چکا تھا۔

نالیوں اور نالوں میں بہتے ہوئے پانی کی سڑ سڑ کے علاوہ فضا میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ویسے آسمان ابھی بادلوں سے ڈھکا ہوا ہی تھا۔ کہیں نشیبی علاقوں کی سڑکوں پر تو پانی گھٹنوں گھٹنوں بھرا پڑا تھا۔

خان کو کافی راستے کاٹ کر آسٹن گزارنا پڑی اور اس کاٹ چھانٹ میں وقت کچھ زیادہ ہی صرف ہو گیا۔ بہر حال وہ قریباً پندرہ منٹ میں کال بوتھ نمبر ۱۶ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ کال بوتھ سے ذرا ادھر ہی پولیس کی جیپ کار کھڑی تھی۔ اس کے قریب ہی انسپکٹر جعفری اور کئی کانسٹیبل کھڑے تھے۔

خان نے آسٹن جیپ کے نزدیک روک دی۔ انسپکٹر جعفری اس کی طرف بڑھا۔ خان مشین بند کر کے اتر آیا تھا۔ انسپکٹر جعفری نے اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ خان نے سر کی جنبش سے جواب دے کر کہا۔

"لاش کو چھوا تو نہیں گیا؟"

"جی نہیں۔" انسپکٹر جعفری بولا۔ "بوتھ سے باہر بھی کچھ نشانات ملے ہیں اور تھوڑے فاصلے پر ایک موٹر سائیکل ملی ہے، جس کی مشین بند نہیں تھی۔ مگر وہ الٹی پڑی ہوئی تھی۔ غالباً وہ سڑک پر پڑے ہوئے الیکٹرک پول سے ٹکرا گئی تھی۔"

"ہوں۔" خان نے صرف اتنا ہی کہا۔

پھر وہ کال بوتھ کی طرف بڑھا۔ کال بوتھ کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ سڑک اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بجلی کی لائن خراب ہو گئی تھی۔ خان اپنے ساتھ ٹارچ لانا نہیں

بھولا تھا۔اس نے اوورکوٹ کی جیب سے ٹارچ نکالی۔ یہ ایک بہت تیز روشنی والی ٹارچ تھی۔ اس نے روشنی کال بوتھ کے اندر ڈالی اور اس کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ گئے۔

لاش کی ہیئت ہی ایسی تھی کہ معمولی دل گردے والا تو شاید ہمدردی کے احساس سے اسے دیکھ کر رو پڑتا۔انسپکٹر جعفری ہمدردانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''بڑی اذیت ناک موت ہوئی ہے بے چارے کی۔''

''ہوں۔''خان نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔''ٹارچ کی روشنی کافی ہے۔''

'جی ہاں،مگر اگر فرمائیں تو سرچ لائٹ...''

''نہیں۔''خان نے کہا۔''جیپ کا رخ ادھر پھیر کر ہیڈ لیمپس روشن کرا دیجیے۔''

''بہتر ہے۔''انسپکٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

اس نے جیپ کے ڈرائیور کو ہدایت دی اور چند لمحے بعد کال بوتھ پوری طرح روشنی میں نہا گئی۔اب وہ لاش صاف طور سے نظر آ رہی تھی۔دیکھنے والے کانسٹیبلوں نے تو منہ پھیر لیے تھے۔انسپکٹر جعفری سے بھی نہیں دیکھا گیا تھا۔وہ خان کے قریب سے ہٹ کر تو نہیں جا سکتا تھا،البتہ وہ ادھر ادھر نگاہیں بچانے کی کوشش میں مصروف تھا۔مگر خان...وہ بڑی غور سے لاش کو دیکھ رہا تھا۔اس کی نگاہیں بڑی باریکی سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔چند منٹ بعد وہ طویل سانس لے کر بولا۔

''اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔''

''جی ہاں۔''انسپکٹر جعفری جلدی سے بولا۔

''غالباً گھسٹتا ہوا کال بوتھ پہنچا ہے۔''

''جی ہاں۔''

خان ان نشانات کو دیکھنے لگا جو مرحوم کے زمین پر گھسٹنے سے بنے تھے۔ایک سائڈ کے گھسٹنے کے نشان پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکاوٹ سا تھا،جس سے یہ اس نے اندازہ لگایا کہ

مرحوم صرف بائیں ہاتھ کی کہنی کے بل گھسٹتا ہوا آیا ہے۔

بڑھتے بڑھتے نشانات کے سہارے سہارے وہ موٹر سائیکل تک پہنچ گیا، مگر اب موٹر سائیکل کی مشین بند تھی۔ اس نے انسپکٹر جعفری کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''بائیک کی مشین آپ نے بند کی تھی یا خود بخود بند ہوئی تھی؟''

''جی، میں نے ہی بند کی تھی۔'' انسپکٹر جعفری نے جواب دیا۔

''بند کرنے سے قبل آپ نے اسپیڈو میٹر پر تو نگاہ ڈالی ہوگی؟''

''جی نہیں۔'' انسپکٹر خفیف سا ہو کر بولا۔ ''بھول گیا تھا۔''

''یہ ضروری تھا۔'' خان بولا۔ ''خیر، کوئی بات نہیں۔''

انسپکٹر جعفری نے اطمینان کا سانس لیا۔ خان کافی دیر تک موٹر سائیکل کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس الیکٹرک پول کی طرف متوجہ ہوا جو موٹر بائیک سے دس بارہ گز کے فاصلے پر گرا ہوا تھا۔ اب وہ ٹارچ استعمال کر رہا تھا۔

موٹر سائیکل اور الیکٹرک پول کے درمیان میں وہ نشان تھا جہاں بائیک سوار گرا ہوا تھا، وہاں اس کے تڑپنے اور مچلنے کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ وہیں کے نشان بتاتے تھے کہ وہاں سے ہی بائیک سوار نے پلٹی لی تھی اور پھر کال کی طرف بڑھا تھا۔

ان نشانات میں کیچڑ گندھی ہوئی سی لگ رہی تھی اور اس میں خون بھی ملا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر انسپکٹر جعفر ینے ایک جھرجھری سی لی، مگر خان کافی دیر تک جھک کر اسے بغور دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔

اب وہ الیٹرک پول کی طرف متوجہ ہوا، الیکٹرک پول سڑک پر بالکل آڑا پڑا ہوا تھا جس سے سڑک بند ہو گئی تھی۔ اس کے تار ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ اگر اس طرف کی لائن خراب نہ ہو گئی ہوتی تو شاید ساری سڑک پر کرنٹ پھیلا ہوا ہوتا۔

خان نے ٹارچ کی روشنی الیکٹرک پول کے دوسری طرف ڈالی اور ادھر بڑھا۔ انسپکٹر

جعفری کہہ رہا تھا۔

''یہاں ہی اس پول سے ٹکرا کر بائک اچھلی گئی ہے۔''

مگر خان کچھ نہ بولا۔ وہ آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ پول سے صرف دس فٹ کے فاصلے پر وہ چانک کر رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کی روشنی میں ان دو نشانات پر پڑ رہی تھی، جو کسی کار کے پہیوں کے معلوم ہوتے تھے۔

''اوہ..'' خان ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔

خان نشانات کے سہارے آگے بڑھتا رہا۔ پھر انسپکٹر جعفری سے بولا۔

''سنیے، ممکن ہے جس کار کے یہ نشانات ہیں وہ بائیک کے تعاقب میں نہ آئی ہو۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''ہوسکتا ہے بائیک پہلے ہی پول سے ٹکرا کر گر چکی ہو۔ اس کے بعد یہ کار اتفاقاً ادھر سے گزری ہو مگر راستے میں پول دیکھ کر واپس لوٹائی گئی ہو۔''

''آپ کا خیال درست بھی ہوسکتا ہے۔'' خان آگے چلتا ہوا بولا۔ ''اسی لائن پر پہلے میرے ذہن نے بھی سوچا تھا مگر آپ نے غالباً پول کے نزدیک کار کے پہیوں کے وہ نشانات نہیں دیکھے جہاں کار روکی گئی ہے۔ کیا کسی ہلکی رفتار سے چلتی ہوئی کار کے نشانات اتنے گہرے ہوسکتے ہیں؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کار بہت تیزی سے لائی گئی تھی، شاید تیس میل سے بھی اوپر رفتار سے۔ اور اب صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ قبل کے موسم کا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔ مجھے بتایئے کہ اگر آپ اس موسم میں گاڑی لے کر نکلتے تو کیا پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز گاڑی ڈرائیو کرسکتے ہیں۔ لہٰذا بلاوجہ گاڑی بھگانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دوسری بات۔ آپ جب یہاں پہنچے ہیں تو موٹر سائیکل کی مشین بھی چالو تھی، ظاہر ہے کہ لائٹ بھی روشن ہی ہوگی اور موٹر سائیکل سڑک پر آڑی ترچھی پڑی ہوئی تھی اور جہاں کار روکی گئی ہے وہاں سے موٹر بائیک کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس گز رہا ہوگا اور وہاں تک

آنے والی کار کی روشنیاں ضرور پہنچ رہی ہوں گی۔اور پھر بائیک سوار تو پول سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔کیا اس کار والوں یا والے نے یہ نہ دیکھا ہوگا کہ کوئی حادثے میں زخمی ہوگیا ہے۔اگر ایک شریف شہری ہوتا تو ضرور مدد کرنے کی کوشش کرتا، مدد نہ بھی کرتا تو کم از کم پولیس کو ضرور مطلع کر دیتا...ارے..."

خان کہتا جا رہا تھا کہ ان نشانات کے سہارے سہارے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔باتوں باتوں میں وہ لوگ نصف فرلانگ کے قریب نکل آئے تھے۔ادھر اس قسم کے بائیک کے پہیوں کے نشانات پر ٹارچ گھمائی اور بولا۔

"دیکھیے، یہاں بائیک ڈگمگائی بھی ہے۔"

"ایں، جی ہاں، جی ہاں۔"انسپکٹر جعفری نے ان نشانات کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ان نشانات کے ادھر ادھر بھی نشانات تھے۔غالباً وہ کار کے آنے کے نشانات تھے یا پھر واپس گئی تھی تو بائیں سمت میں کافی ہٹ کر نشانات بنے تھے۔سڑک کافی چوڑی تھی۔خان نے ان نشانات کی طرف روشنی پھینکی اور بولا یہ کار کی واپسی کے نشانات ہیں۔"

"جی ہاں۔"انسپکٹر جعفری بولا۔

"ارے، یہ کیا؟" خان کیچڑ میں اٹی ہوئی کسی سیاہ سی چیز کو دیکھ کر چونکا۔

دونوں ادھر بڑھے اور قریب پہنچ کر خان بولا۔"اوہ، یہ ریوالور۔"

وہ واقعی ایک ریوالور تھا، جو بڑی تیزی میں گرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔خان نے کہا۔

"لیجیے بات صاف ہوگئی۔"

"جی!"انسپکٹر جعفری نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"بھئی، بائیک سوار بھاگ رہا تھا، کار تعاقب میں تھی۔سوار نے ریوالور نکال کر فائر کرنا چاہا، ممکن ہے کر بھی دیا ہو۔پیچھے دیکھنے کی وجہ سے بائیک ڈگمگا گئی۔ریوالور اس کے ہاتھ

سے نکل گیا۔ پھر بیلنس بناتے بناتے وہ الیکٹرک پول سے جا ٹکرایا۔ غالباً آپ نے بائیک کے پہیوں کے لہرانے کے نشانات دیکھ لیے۔ یہاں بائیک سوار نے ریوالور نکال کر فائر کیا اور یہیں گر گیا، کیوں کہ بائیک ڈگمگا گئی تھی۔ کیا سمجھے؟''

''جی ہاں، بالکل سمجھ گیا۔'' انسپکٹر جعفری نے متحیر لہجے میں جواب دیا۔

''آپ نے یہ سوال نہیں کیا۔'' خان مسکرا کر بولا۔ ''ممکن ہے کہ یہ ریوالور بائیک سوار کا نہ ہو؟''

''آپ کے دلائل ناقابلِ مسترد ہیں۔'' انسپکٹر جعفری بولا۔

خان مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر انسپکٹر جعفری بولا۔

''ہم ان نشانات کے سہارے کار کے مسکن کا پتا تو لگا سکتے ہیں؟''

''کہاں تک پیدل چلتے رہیے گا۔'' خان مسکرا کر بولا۔ ''اس کے علاوہ یہ نشانات زیادہ سے زیادہ اگلے موڑ تک مل جائیں گے۔ اس کے بعد کچی سڑک پر کہیں گاڑی مڑی ہوگی تو وہاں بھی اس وقت گھٹنوں تک پانی بھرا ہوگا۔ آپ کہاں نشانات تلاش کریں گے؟''

''اوہ، میں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا۔'' انسپکٹر جعفری گڑبڑا گیا۔

''آپ کے ذہن میں کسی تیسرے درجے کے جاسوس کا طریقہ کار کلبلایا تھا۔'' خان ہنس کر بولا۔

انسپکٹر جعفری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خان کی حیرت انگیز صلاحیتوں کو پہلے ہی سے جانتا تھا۔ اس وقت تو خان کے اندازوں نے اس کی آنکھیں پھاڑ کر رکھ دی تھیں۔ حالاں کہ جو اندازے خان نے بتائے تھے وہ اسے معلوم ہو جانے کے بعد معمولی سے اندازے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر ان ہی معمولی اندازوں تک پہلے اس کے ذہن کی ہوا تک نہیں گئی تھی۔

خان نے چند لمحے بعد کہا۔ ''اس ریوالور کو اٹھا لیجیے۔''

''بہتر ہے۔'' انسپکٹر جعفری جھک کر ریوالور اٹھانے لگا۔

Akram Allahabadi

''ٹھہریے۔'' خان مسکرا کر بولا۔''اس طرح میں بھی اٹھا سکتا ہوں مگر میرے پاس رومال نہیں ہے۔اسے صرف نال کی طرف سے احتیاط سے پکڑ کر اٹھایے، جہاں کیچڑ سے محفوظ ہے وہاں انگلیوں کے نشانات مل سکتے ہیں اور ہ اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ریوالور بائیک سوار کا ہے یا کسی اور کا۔''

''اوہ، جی ہاں۔'' انسپکٹر جعفری پھر گڑبڑا گیا۔

اس نے جیب سے رومال نکالا اور احتیاط س ریوالور کو نال سے پکڑ کر اٹھا لیا۔خان نے اس سے کہا۔

''ذرا ناک کے قریب لے جایے، بارود کی بو ہے یا نہیں؟''

انسپکٹر جعفری نے سونگھا اور بولا۔''جی ہاں ہے تو، مگر بہت ہی خفیف۔''

''غالباً چلایا بھی گیا ہے۔خفیف بو اس وجہ سے ہے کہ کچھ دیر بھیگا بھی ہے۔''

''جی ہاں۔''

''آیے، واپس چلیں۔'' خان بولا۔

پھر وہ واپس مڑ گیا۔انسپکٹر جعفری ریوالور ہاتھ میں لیے ہوئے اس ے پیچھے چلنے لگا۔راستے میں خان سوچنے لگا کہ موٹر سائیکل سوار ایسی کیا اہم بات کرنا چاہتا تھا جس کے لیے وہ اتنی زخمی حالت میں گھسٹتا ہوا کال بوتھ تک گیا۔اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شاید وہاں سے ہل بھی نہیں سکتا اور پھر وہ کہنا بھی چاہتا تھا تو صرف خان سے اور بھی کسی سے نہیں۔وہ چاہتا تو پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر کے کہہ ڈالتا مگر اس نے پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر کے صرف خان کے فون نمبر مانگے تھے بلکہ اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ خان سے پوری بات بھی نہ کہہ سکا تھا۔

اسکے ہونٹوں سے نکلے ہوئے صرف چار الفاظ جو خان کے کانوں میں پڑے تھے اسے وہ یاد تھے۔ ''خان صاحب، لال بورج۔''لال... بورج۔خان سوچنے لگا، کہیں یہ لال برج تو نہیں ہے۔زخمی حالت لڑکھڑاتی زبان میں صاف لفظ نہ بول سکا ہو، وہ لال برج ہی کہنا

چاہتا ہو۔

وہ سوچتے ہوئے کال بوتھ کے نزدیک پہنچ گیا۔خان نے کال بوتھ کے نزدیک پہنچ کر انسپکٹر جعفری سے کہا۔

''آپ سول ہسپتال سے ایمبولینس منگوالیجیے۔''

''بہت بہتر جناب، مگر یہاں دوسرا کال بوتھ قریب بھی نہیں، جیپ بھیج کر منگوالوں؟''

''دوسرے کال بوتھ یا جیپ بھیجنے کی کیا ضرورت ہے، یہی کال بوتھ استعمال کیجیے۔''

''مگر جناب،اس کال بوتھ میں انگلیوں کے نشانات...''

''نشانات کی کیا ضرورت ہے؟'' خان نے کہا۔''اس کے نشانات درکار ہوتے ہیں جسے تلاش کرنا ہوتا ہے۔تو وہ شخص سامنے ہی ہے جس کے نشانات ہوں گے۔کیوں مجھے بھی علم ہے کہ فون اسی نے کیا تھا اور آپ کو بھی علم ہے۔''

''پھر یہ ریوالور کے نشانات...؟''

''وہ صرف اس تسلی کے لیے دیکھنے ہیں۔'' خان مسکرایا۔''کہ یہ ریوالور اس بائیک سوار کا ہے یا نہیں۔کیوں کہ اب تک میں نے جو کچھ اندازے لگائے ہیں وہ صرف اندازے ہی تو ہیں۔ممکن ہے ان میں سے کچھ اندازے غلط بھی ہوں اور ان ہی غلط اندازوں میں یہ بھی شامل ہوں کہ یہ ریوالور اسی بائیک سوار کا ہے۔ایسی صورت میں اس پر پائے گئے نشانات ہمارے لیے مفید بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''آپ درست فرماتے ہیں۔'' انسپکٹر جعفری متحیر لہجے میں بولا۔

''سنیے،اس لاش کا پوسٹ مارٹم ہونے سے قبل میں ایک بار پھر اس کا معائنہ کروں گا۔لہٰذا صبح اس وقت تک پوسٹ مارٹم نہ ہونے پائے جب تک میں سول ہسپتال نہ پہنچ جاؤں۔

ابھی میں نے اس کے لباس کی جیبوں کو بھی نہیں ٹٹولا ہے۔اسے جوں کا توں کمرے میں رکھوا کر کمرہ مقفل کرا دیجیے گا۔''

''بہت بہتر ہے۔''

خان نے چند ہدایات اور دیں اور پھر آسٹن کی طرف بڑھ گیا۔اس کی گاڑی بالے لے گیا تھا،اس لیے اسے آسٹن لانا پڑی تھی۔

(۲)

شاید پورے ایک منٹ ریکریشن ہال میں سناٹا رہا۔ایک منٹ کے بعد دوسری میزوں پر بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے ہی چونک کر پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

''یہ دھواں کیسا تھا؟''

''یہ چھینٹے کس چیز کے ہیں؟''

پھر قریب کی میزوں والے بھی چونکے اور تب بالے،فرزانہ اور لیڈی سرفراز بھی چونکے۔ان لوگوں کے لباس اور چہرے سرخ سرخ ہو رہے تھے۔وہ لوگ کونے کی ٹیبل پر تھے۔دیوار پر قیمے اور خون کا چھڑکاؤ سا ہو گیا تھا۔فرزانہ ہی سب سے پہلے بولی۔

''یہ کیا ہوا تھا؟''

''ایں۔''بالے نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔

لیڈی سرفراز اس طرح پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کرسی کی طرف دیکھ رہی تھی جس پر سرفراز بیٹھا تھا،جیسے وہ خود کوئی پتھر کی مورت ہو۔پھر سارے ریکریشن ہال میں سرگوشیوں کا طوفان سا آ گیا لوگ یہی نہ سمجھ سکے کہ حادثہ کیا ہوا تھا؟

دفعتاً لیڈی سرفراز دھیرے سے بڑبڑائی۔

''نہیں،نہیں۔''

پھر وہ آنکھیں بند کر کے ایک طرف لڑھک گئی۔اس کے لڑھکتے ہی بالے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔پھر ریکریشن ہال کی ساری بھیڑ ان لوگوں کے گرد اکٹھا ہو گئی تھی۔کسی نے پوچھا۔

''کیا ہوا تھا؟''

''آپ لوگوں کے لباس اور چہرے رنگین کیسے ہو گئے؟''

''ارے، دیوار پر بھی چھینٹے ہیں؟''

''کوئی چیز پھٹی تھی؟''

''کیا چیز پھٹی تھی؟''

''یہ مس صاحبہ کیوں بے ہوش ہو گئیں؟''

''زخمی تو نہیں ہو گئیں؟''

بالے پر چاروں طرف سے سوالات کی بوچھاڑ پڑ رہی تھی۔وہ بوکھلایا ہوا مجمع کی طرف دیکھتا تھا، کبھی لیڈی سرفراز کی طرف۔میجر، ویٹر، کاؤنٹر کلرک سب ہی ان کے گرد جمع تھے۔میجر ان کے لباس، دیوار اور اردگرد کی اشیاء پر سرخ چھینٹے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔فرزانہ بہت زیادہ گھبرا گئی۔

دفعتاً بالے کو جیسے ہوش آ گیا۔اس نے مجمع کی طرف مڑ کر دیکھا۔

''آپ لوگ براہِ کرم بھیڑ نہ لگائیے۔''

''کیا ہوا؟ کچھ بتائیے تو سہی؟'' کسی نے پوچھا۔

''آپ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھیے، ابھی سب معلوم ہو جائے گا۔''

پھر میجر بھی عاجزی سے ان لوگوں سے التجا کرنے لگا۔دفعتاً ان کے قریب کی میز پر بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص بول اٹھا۔

''ارے، ان کے ساتھ ایک مرد اور تھا۔''

''ہاں، میں نے بھی دیکھا تھا۔'' دوسرا بولا۔

Akram Allahabadi

''وہ کہاں گیا؟'' تیسرے نے کہا۔

''یہ رنگین چھینٹے خون کے تو نہیں ہیں؟''

سارا ریکریشن ہال مختلف قسم کی باتوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ بالے فرزانہ کا ہاتھ تھام کر بھیڑ سے نکل آیا۔ سارا مجمع اس کی طرف پلٹ پڑا۔ بالے ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''لیجیے، غور سے دیکھیے۔ ہم لوگ تماشا ہیں۔''

مجمع میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ بالے نے پھر کہا۔

''آخر آپ لوگ بیٹھتے کیوں نہیں؟''

پھر مینجر بھی ان کے نزدیک آ گیا۔ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''آخر یہ ہوا کیا بالے صاحب؟''

''ہوا ہے میرا بھیجا۔'' بالے اور جھلا گیا۔ ''ان تماش بینوں کو ہٹایئے۔ یہ تو اس طرح پیچھے پھر رہے ہیں جیسے اب میں ڈگڈگی بجانا شروع کروں گا اور میری ساتھی ناچنا شروع کر دے گی۔ کیا حماقت ہے۔''

''خدا کے لیے۔'' مینجر بھیڑ کی طرف مڑ کر گھگھیایا ''آپ حضرات تشریف رکھیے۔''

''بھیڑ چھٹنے لگی۔ بالے اور فرزانہ اسی جگہ کھڑے رہے۔ پھر ان کے پاس صرف مینجر رہ گیا۔ وہ بالے کی طرف مڑا۔

''بالے صاحب؟''

''پہلے لیڈی سرفراز کو اٹھوایئے۔'' بالے نے کہا۔

مینجر نے پلٹ کر ویٹروں سے کہا۔ وہ لیڈی سرفراز کو اٹھانے لگے۔ بالے مینجر کا ہاتھ پکڑ کر اس کے کمرے میں لے گیا اور بولا۔

''کلب کے سارے دروازے مقفل کرا دیجیے۔ ایک آدمی باہر نہ نکلنے پائے۔ اور

ہاں، سارے ویٹرز اور کلب کے ملازمین عملے کے دوسرے افراد بھی یہیں رہیں۔"

"اوہ، مگر کچھ بتلایئے تو سہی؟"

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ کیجیے۔" بالے جھلا کر بولا۔

منیجر بوکھلایا ہوا باہر چلا گیا۔ بالے نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ اور ہاتھ پونچھے۔ فرزانہ نے منیجر کی میز پوش اتار کر ہی استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بالے کی طرف دیکھ کر بولی۔

"خدا کی پناہ، میں نے خود اپنی آنکھوں سے سرفراز کا بدن پھٹتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"ہوں۔" بالے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کہیں اس کی جیب میں ٹائم بم وغیرہ تو نہیں تھا؟"

"ٹائم بم؟" بالے مضحکہ آمیز انداز میں مسکرایا۔ "ٹائم بم سرفراز کو قیمہ بنا دیتا اور ہم لوگ جو اس سے صرف چند بالشت کے فاصلے پر بیٹھے تھے، محفوظ رہتے؟ کیا حماقت کی باتیں کرتی ہو تم بھی۔"

"اوہ۔" فرزانہ ہونٹ سکیڑ کر رہ گئی۔ "تمہارا مطلب ہے... وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

منیجر پھر بوکھلایا کمرے میں آ گیا تھا۔ "اب کیا کروں؟"

"آپ کا فون کہاں ہے؟"

"یہیں، اسی کمرے میں ہے۔" منیجر بوکھلا کر بولا۔

پھر وہ جھپٹ کر میز پر سے پورا ٹیلی فون ہی اٹھا لایا۔ بالے نے مسکرا کر اس کی طرف اور بولا۔ "جناب میں میز تک جا سکتا تھا۔"

"ایں، ہاں ہاں۔" منیجر بوکھلا کر بولا۔

پھر وہ جھپٹ کر ٹیلی فون میز پر رکھ آیا اور بالے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ فرزانہ بھی

Akram Allahabadi

بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔

بالے میز کی طرف بڑھا اس نے رسیور اٹھایا اور کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے اور رسیور کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کون، بوم چند؟'' بالے بولا۔

''جی سرکار، میں بوم چند بول رہا ہوں۔''

''خان صاحب کو فون پر بلاؤ۔''

''جناب، وہ تو موجود نہیں ہیں۔''

''کیا؟'' بالے متحیر لہجے میں بولا۔ ''بھئی، وہ لائبریری میں ہوں گے۔''

''نہیں، جناب۔ وہ باہر گئے ہیں۔''

''باہر گئے ہیں؟'' بالے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

''جی ہاں، جناب۔ کہیں سے فون آیا تھا، وہ چلے گئے۔''

''وہ کتنی دیر ہوئی گئے ہوئے؟''

''جناب، ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے۔''

بالے نے گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ اس نے کہا۔ ''اچھا، دیکھو جیسے ہی وہ آئیں کہنا کہ فوراً ڈریم نائٹ کلب کی طرف چلے آئیں۔''

''ڈریم نائٹ کلب کیا چیز ہے، سرکار؟''

''اوہ، تم کہہ دینا کہ جہاں بالے صاحب گئے ہیں، وہاں چلے جائیں۔''

''بہتر ہے، سرکار۔''

بالے نے رسیور رکھ دیا۔ منیجر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''یہ کیا معاملہ ہے، جناب؟''

Akram Allahabadi

''معاملہ جب معلوم ہوگا جب کہ خان صاحب آجائیں۔'' بالے بولا۔''فی الحال آپ اپنا ایک سوٹ اور اپنی میڈم کا ایک سوٹ نکال لایئے۔''

''بہت بہتر، جناب۔''

منیجر اندرونی کمرے میں چلا گیا۔اس کی رہائش گاہ بھی یہیں تھی۔اس نے نئی نئی شادی کی تھی۔چنانچہ بیوی بھی ساتھ ہی رکھتا تھا۔لیکن آج کل اس کی بیوی اپنے والدین سے ملنے گئی ہوئی تھی۔بہرحال اس کے کپڑے تو یہاں پر ہی تھے۔

تھوڑی دیر بعد بالے کو دونوں لباس مل گئے۔رہائشی کمروں کے ساتھ باتھ روم تھے۔جہاں بالے اور فرزانہ نے اپنا اپنا بدن صاف کیا اور کپڑے تبدیل کر لیے۔پھر وہ جیسے ہی باتھ روم سے نکلے منیجر بولا۔

''جناب ممبران باہر نکلنے کے لیے بگڑ رہے ہیں۔''

''ان سے کہہ دیجیے کہ کیس سیریس ہے،انھیں پولیس کے آنے تلک رکنا پڑے گا۔''

منیجر بھاگا ہوا باہر چلا گیا۔بالے نے سگریٹوں کے ٹن سے ایک سگریٹ نکالی، سلگانے ہی جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔اس نے رسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''بالے، میں خان بول رہا ہوں۔''

''اوہ۔آپ اتنی رات گئے کہاں گئے تھے؟''

''بڑا دلچسپ کیس ہے۔مگر تم...میری ڈریم نائٹ کلب میں کیا ضرورت پڑ گئی؟''

''جناب۔'' بالے نے ایک طویل سانس لی۔''یہاں بھی ایک بہت ہی دلچسپ کیس ہے۔آپ کی روح تک خوش ہو جائے گی۔''

''کیسا کیس؟''

Akram Allahabadi

''آپ چلے آیئے، ورنہ بہت سارے مردے آپ کی جان کو روئیں گے۔''

''سنو، کیا تم تنہا نہیں نپٹ سکتے؟''

''اگر میرے بس کی بات ہوتی تو شاید آپ کو فون نہ کرتا۔''

''اچھا میں آرہا ہوں۔'' خان نے کہا۔

پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔ بالے نے رسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور فرزانہ سے بولا۔ ''اب ہم لوگ ہمالیہ کی چوٹی پر گھر بنائیں گے۔''

''وہاں بھی شاید حادثات پیچھا نہ چھوڑیں۔'' فرزانہ ہنس کر بولی۔

''آسانی تو ہوگی۔''

کس بات کی؟''

''خودکشی کی۔ کسی گہرے غار میں چھلانگ لگا دی جائے گی۔''

فرزانہ ہنسنے لگی۔ بالے نے سگریٹ سلگایا اور دو تین کش لے کر بولا۔

''سرفراز نے صرف پانی پیا تھا۔''

''ہاں، پھر شاید گلاس میز تک نہیں پہنچ سکا تھا۔''

''مطلب یہ کہ پانی میں گڑبڑ تھی۔''

''ہوسکتا ہے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''مگر یہ کس قسم کی گڑبڑ تھی، خدا کی پناہ۔ ایک اچھے خاصے انسان کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہوگئیں۔''

''یہی تو میں سوچتی ہوں۔'' فرزانہ جھرجھری لے کر بولی۔ ''بھلا قیاس میں آنے والی بات ہے یہ بھی کہیں؟''

''قطعی نہیں۔'' بالے بڑبڑایا۔

وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ مینجر پھر بوکھلایا ہوا داخل ہوا۔

Akram Allahabadi

''جناب، لیڈی سرفراز کو ہوش آ گیا ہے۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''جناب، میں پاگل ہو گیا ہوں۔''

''ایں...؟''

''نہیں جناب، لیڈی سرفراز پاگل ہو گئی ہے۔''

''اچھا؟'' بالے اچھل پڑا۔

''جی ہاں، جناب۔'' منیجر بولا۔ ''اس نے ویٹروں کو گالیاں سنانا شروع کر دی ہیں۔ جناب، ایسی گالیاں، خدا کی پناہ۔''

بالے نے سوچا کہ وہ لیڈی سرفراز کی طرف جائے، مگر پھر اس نے خان کی آمد تک کے لیے ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ باہر نکلا اور چاروں طرف سے گھیر لیا جائے گا۔ پھر لوگوں کے سوالات کے وہ کیا جواب دے گا؟

دفعتاً ایک زوردار چیخ گونجی، جو نسوانی ہی تھی۔

''لیڈی سرفراز۔'' منیجر بوکھلا کر بولا۔ ''وہی پکار رہی ہے۔''

پھر وہ بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ بالے نے ایک طویل سانس لی۔ اس کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ وہاں منیجر کھڑا ہاتھ کے اشارے سے بالے کو بلا رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''خان صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''اوہ۔'' بالے باہر کی طرف بڑھا۔

فرزانہ اس کے ساتھ ہی نکل آئی۔ ریکریشن ہال میں خان موجود تھا۔ وہ اس میز کے نزدیک ہی کھڑا تھا جہاں حادثہ ہوا تھا۔

خان نے ایک بار بالے اور فرزانہ کی طرف دیکھا۔ پھر جائے حادثہ کی طرف متوجہ

Akram Allahabadi

ہوگیا۔وہ بہت غور سے دیوار اور ارگرد کے علاوہ قرب وجوار پر پڑے ہوئے چھینٹے دیکھ رہا تھا۔ ابھی اسے تفصیل نہیں معلوم ہوئی تھی۔وہ تو ابھی ابھی کلب میں داخل ہوا تھا اور اس کے داخل ہوتے ہی مینجر اسے اس میز کی طرف لے آیا تھا، ایسے ہی اس کی سمجھ میں کیا خاک آتا۔

ارد گرد کے لوگ اسے تحیر زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد خان بالے کی طرف مڑا اور پوچھا۔

''کیا قصہ ہے؟''

''قصہ۔''بالے نے میز اور دیوار کی طرف اشارہ کیا۔''آپ کے سامنے ہے۔''

''یہ سب کیا ہے؟''خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔''کیسا حادثہ ہوا ہے اور تم حادثے کے وقت کہاں تھے؟''

''یہ سب۔''بالے نے چھینٹوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔''یہ سب سرفراز ہے۔ حادثہ ایسا ہی ہوا ہے اور میں حادثے کے وقت اسی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔''

خان نے بالے کو گھور کر دیکھا پھر بولا۔''اندر چلو۔''

پھر وہ تینوں اندر آ گئے۔مینجر بھی ان کے ساتھ ہی گھس آیا۔خان نے بالے سے کہا۔

''صاف صاف بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

''صاف صاف ہی تو بتایا ہے۔''بالے نے کہا۔''آپ نے وہ چھینٹے اور دھبے دیکھے ہیں؟''

''ہاں دیکھے ہیں، مگر وہ کیسے دھبے ہیں؟''

''وہ سرفراز کے جسم کا قیمہ ہے۔''

''کیا؟''خان کی آنکھوں میں تحیر دکھائی دیا۔

''جی ہاں، حادثے سے کچھ دیر قبل ہی سرفراز میں فرزانہ اور لیڈی سرفراز ایک ہی میز پر بیٹھے ہوئے کافی پی رہے تھے۔''

Akram Allahabadi

''کافی کافی پیتے پیتے...؟''

''جی نہیں، اس نے کافی شروع نہیں کی تھی، پہلے پانی پیا تھا، مگر وہ گلاس میز پر رکھ بھی نہ پایا تھا کہ اس کے جسم کے چیتھڑے اڑ گئے۔ بس ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا تھا۔ غالباً اتنی آواز کا جیسے سائیکل کا ٹیوب برسٹ ہو گیا ہو۔''

''اوہ۔'' خان غور سے سن رہا تھا۔

''بس پھر سرفراز کی کرسی خالی نظر آئی تھی۔ ہم لوگوں کے علاوہ بھی اردگرد کی میزوں والے بھی لت پت تھے۔ ہمارے جسموں پر جو لباس ہے وہ مسٹر مینجر اور ان کی بیگم کا ہے۔''

''میں بہت حیران ہوں، جناب۔'' مینجر بول پڑا۔

خان کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے چونک کر مینجر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''یہ کس کی چیخ ہے؟''

''لیڈی سرفراز کی۔'' مینجر بولا۔

''کیوں، اسے کیا ہوا؟'' خان نے حیرت سے پوچھا۔

وہ پاگل ہو گئی ہے۔'' بالے نے بتلایا۔ ''ہم لوگ ایک ہی میز پر تھے۔ خدا کی پناہ، کتنا عجیب تصور ہے۔ صرف چند لمحے پہلے وہ ہم لوگوں سے ہنس ہنس کر گفتگو کر رہا تھا اور چند ہی لمحوں بعد اس کا وجود ریزے ریزے ہو چکا تھا۔''

''ہوں۔'' خان نے ایک طویل سانس لی۔ ''تمہیں وہ ویٹر یاد ہے جو تمہاری میز پر سرو کر رہا تھا؟''

''جی ہاں۔'' بالے نے کہا۔ ''اس کی مونچھیں نیولے کی چونچ کی مانند اٹھی رہتی ہیں، جن کی رنگت سیاہ ہونے کی بجائے گہری کتھئی ہے۔''

''اوہ، وہ رام سنگھ، رام سنگھ ہے۔'' مینجر بولا۔ ''میرے کلب میں رام سنگھ کے علاوہ کوئی ویٹر بڑی بڑی مونچھیں نہیں رکھتا۔''

Akram Allahabadi

''ذرا اسے بلایئے۔''خان نے کہا۔

''بہت بہتر، جناب۔''منیجر بولا۔

پھر وہ بجائے گھنٹی بجانے کے خود باہر چلا گیا۔خان بالے کی طرف مڑا اور بولا۔

''وہ برتن جو تمہاری میز پر تھے؟''

''وہ غالباً ابھی تک اسی میز پر پڑے ہیں۔کسی کو ہوش ہی کہاں جو انھیں اٹھاتا۔

''تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ سرفراز نے کافی نہیں چھوئی تھی؟''

''اچھی طرح۔''بالے نے کہا۔''فرزانہ سے پوچھ لیجیے۔''

''جی ہاں۔''فرزانہ بولی۔''مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے۔''

''تب ٹھیک ہے۔''خان بولا۔''جاؤ، وہ گلاس قبضے میں کرو۔''

''اوہاں۔''بالے چونک پڑا۔''مجھے یہ خیال ہی نہیں آیا تھا۔''

پھر وہ جلدی سے کمرے سے ریکریشن ہال میں چلا گیا۔اتنے میں ویٹر کے ساتھ منیجر کمرے میں داخل ہوا۔ویٹر، رام سنگھ، کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔خان نے اسے اوپر سے نیچے تک گھورا اور پوچھا۔

''جس میز پر حادثہ ہوا ہے اس پر تم ہی سرو کر رہے تھے؟''

''جی، سرکار۔''رام سنگھ کی آواز بیٹھی جا رہی تھی۔

خان نے منیجر کی طرف دیکھا اور بولا۔

''آپ براہِ کرم باہر ٹھہریے۔''

''اوہ، بہتر ہے، جناب۔''منیجر نے جلدی سے کہا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔خان نے چند لمحے بعد بڑی سنجیدگی سے کہا۔''رام سنگھ۔''

''جی، سرکار۔''رام سنگھ نے بولنے میں دیر نہیں لگائی۔

Akram Allahabadi

''تمہارے کتنے بچے ہیں؟''

''سرکار، چھ۔''

''تمہیں یہاں تنخواہ کتنی ملتی ہے؟''

''سرکار، ۱۰۰ روپے۔''

''اگر تم چند ماہ کے لیے بچوں کو چھوڑ کر چلے جاؤ تو انھیں کون سنبھالے گا؟''

''سرکار، کوئی نہیں۔ میں ان کا اکیلا سہارا ہوں۔''

''ہوں۔ اگر تم چھ سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ عرصے کے لیے جیل کاٹنے چلے جاؤ تو کیسے رہے گا؟''

''سرکار۔'' رام سنگھ گڑگڑا کر بولا۔ ''میں بے قصور ہوں، سرکار۔''

''سچ سچ بتلا دو، تم نے پانی میں کیا چیز ڈالی تھی؟''

''کچھ نہیں، سرکار، بھگوان کی سوگندھ، میں نے کچھ نہیں ڈالا۔'' رام سنگھ رونے لگا۔

''تم نے نہیں، کسی اور نے کچھ ملایا تھا؟''

''مجھے، مجھے معلوم نہیں، سرکار۔ میں نے تو ریفریجریٹر سے بوتل نکال کر پانی گلاس میں انڈیلا تھا اور یوں ہی میز پر رکھ کر آیا تھا۔''

خان بڑی غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، جیسے اس کی آنکھوں میں پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ وہ صحیح بول رہا ہے یا غلط۔

اتنے میں بالے کمرے میں واپس آیا اور بولا۔ ''وہ گلاس میز پر موجود نہیں ہے۔''

''کیا؟''

''جی ہاں، سارے برتن موجود ہیں، بس ایک گلاس ہی کم ہے۔''

''باقی تین گلاس ہیں؟''

''جی ہاں۔''

Akram Allahabadi

''تب تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ وہی گلاس غائب ہے؟''

''جناب، ہم تینوں نے پانی پیا تھا اور وہ تینوں گلاس لبریز رکھے ہیں۔''

''اوہ۔'' خان کے ہونٹ سکڑ گئے۔

''حادثے کے بعد سے کوئی اب تک باہر تو نہیں گیا؟''

''جی نہیں، میں نے سارے دروازے بند کرا دیے تھے۔''

بالے واپس چلا گیا۔ خان رام سنگھ کی طرف۔

''جس بوتل سے تم نے پانی نکالا تھا وہ موجود ہے؟''

''جی ہاں، موجود ہے۔ مگر وہ پہچانی کیسے جا سکتی ہے جب کہ اس جیسی بہت ساری بوتلیں موجود ہیں اور ان ہی میں وہ بوتل بھی رکھی ہوگی۔''

''بوتلوں میں پانی بھر کر کولر میں کون رکھتا ہے؟''

''میں ہی رکھتا ہوں، جناب۔''

''آج بھی تم نے ہی رکھا تھا؟''

''جی ہاں، جناب۔''

''اس وقت تمہارے قریب بھی کوئی موجود تھا؟''

''جی نہیں۔''

''تم پانی بھرتے بھرتے کسی کام سے بھی اٹھے تھے؟''

''جی ہاں، اٹھا تو تھا۔''

''کتنی دیر کے لیے؟''

''برابر کے کچن میں کسی چوہے یا اپنے آپ سے ایک پیالی گر کر ٹوٹ گئی، میں دیکھنے گیا تھا۔

''زیادہ سے زیادہ کتنی دیر میں واپس ہوئے ہوں گے؟''

Akram Allahabadi

''پانچ منٹ کے قریب تو لگے ہی ہوں گے۔ میں نے ہی ٹوٹی ہوئی پیالی کی کرچیں سمیٹ کر باہر پھینکی تھیں۔''

''یہ کس وقت کا ذکر ہے؟''

''وقت مجھے ٹھیک سے تو یاد نہیں، سرکار۔'' رام سنگھ کچھ سوچ کر بولا۔ ''غالباً آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے ہوں گے رات کے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں اس کمرے میں کوئی نہیں گھسا تھا جس میں تم بوتلوں میں پانی بھر رہے تھے؟''

''میرے سامنے کوئی نہیں آیا تھا، سرکار۔ میرے پیچھے کوئی آیا ہو تو کہہ نہیں سکتا۔''

''اچھا، ان بوتلوں میں تھوڑا بہت پانی تو بچ ہی جاتا ہوگا؟'' خان نے پوچھا۔

''تھوڑا بہت کیوں، سرکار۔'' رام سنگھ نے جواب دیا۔ ''ایک ڈیڑھ تولے کے قریب بچ جاتا ہے۔''

ابھی خان کچھ اور نہ پوچھ پایا تھا کہ بالے پھر واپس آیا۔ اس کے چہرے پر تحیر کے آثار نظر آ رہے تھے۔ خان نے پوچھا۔

''گلاس ملا؟''

''نہیں، جناب۔ مگر اس گلاس کے ریزے ضرور مل گئے۔''

''یعنی؟''

یعنی یہ کہ ہم نے گلاس میز تک ثابت آتے دیکھا تھا پھر دھیان ہی نہیں دیا گیا۔ اب وہاں گلاس کے باریک باریک ریزے موجود ہیں۔''

کچھ سوچ کر وہ رام سنگھ سے بولا۔

''تم نے خالی کر کے وہ بوتلیں کہاں رکھیں۔

''وہیں، جناب۔ ریفریجریٹر روم میں۔''

Akram Allahabadi

''اوہ، آؤ مجھے وہ جگہ دکھاؤ، میرے ساتھ چلو۔'' خان اٹھتے ہوئے بولا۔

''ویٹر بالے اور خان کو ریفریجریٹر روم میں لایا اور بوتلوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''یہ رہیں، جناب، بوتلیں۔''

''ارے۔'' بالے چونک کر جھکا۔

پھر خان بھی چونک پڑا۔ کیوں کہ وہاں ایک نہیں کئی بوتلیں ٹوٹی ہوئی پڑی تھیں۔ بالکل ریزے ریزے ہوگئی تھیں۔ ویٹر رام سنگھ نے بھی ان بوتلوں کی طرف دیکھا۔ پھر تحیر زدہ انداز میں پلکیں جھپکا کر خان کی طرف دیکھنے لگا۔

خان کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر وہ ویٹروں کی طرف مڑ کو بولا۔

''اس وقت کتنے ویٹر کام کر رہے تھے؟''

''جناب، آٹھ ویٹر تھے۔''

''ان میں سے کسی کی ڈیوٹی تو نہیں بدلی؟''

''جی نہیں، ابھی سب موجود ہیں۔''

''بلاؤ، سب کو بلاؤ۔''

ویٹر رام سنگھ جلدی سے باہر چلا گیا۔ چند لمحے بعد سارے ویٹر اس کے سامنے ایک قطار میں کھڑے تھے اور مینجر بڑبڑا کر بالے سے پوچھ رہا تھا۔

''کیا ان ویٹروں میں سے کسی نے کوئی حرکت کی ہے؟''

''شش۔'' بالے نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ ''ورنہ آپ کو بھی اسی قطار میں شامل کر دیا جائے گا، میں تو بڑی مشکل سے چھوٹا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' مینجر متحیر ہو کر بولا۔

''ابھی ابھی خان صاحب کو کچھ ہو گیا ہے۔'' بالے جھک کر رازدارانہ لہجے میں

بولا۔

منیجر متحیرانہ انداز میں خان کی طرف دیکھنے لگا جو ویٹروں سے پوچھ رہا تھا۔

''یاد کر کے بتلاؤ، آٹھ اور نو کے درمیان کس کس ویٹر کی ڈیوٹی کہاں کہاں تھی؟''

تین ویٹر کچن میں نکلے۔ باقی پانچ کی ڈیوٹی باہر نکلی۔ باہر والے ویٹروں سے خان نے پوچھا۔

''تم لوگ اچھی طرح یاد کرو، تم نے آٹھ نو بجے کے درمیان کسی اجنبی کو ریفریجریٹر روم میں گھستے تو نہیں دیکھا تھا؟''

''میں نے ایک صاحب کو دیکھا تھا۔'' ایک ویٹر بول پڑا۔

''کس کو، کہاں؟'' خان جلدی سے بولا۔

''ایک صاحب تھے۔ میں انھیں صورت سے پہچانتا ہوں۔ میں ایک گاہک کے لیے پانی لینے آیا تھا۔ وہ اس وقت ریفریجریٹر روم سے نکل رہے تھے۔ میں نے کوئی دھیان نہیں دیا، کیوں کہ کلب کا یوری نل بھی اس سمت میں ہے۔ اور وہاں سے فارغ ہو کر اکثر ریفریجریٹر روم میں ہاتھ دھونے چلے آتے ہیں۔

''تمھیں ان کا حلیہ تو یاد ہو گا ہی؟'' خان نے پوچھا۔

''جی ہاں، اچھی طرح۔''

پھر ویٹر نے جو حلیہ بتایا اسے سن کر بالے اچھل پڑا۔

''ارے، یہ تو ایک جواری کا حلیہ ہے، جس سے گیمز روم میں میری لڑائی ہو گئی تھی۔''

''جی ہاں، جی ہاں۔'' ویٹر کچھ یاد کر کے اچھل پڑا۔ ''بالکل وہی۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ جب وہ آپ سے لڑ رہے تھے تو ہم لوگوں نے ہی انھیں پکڑا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ تو ابھی کلب میں ہی موجود ہو گا۔'' بالے بولا۔

Akram Allahabadi

''جی نہیں۔'' منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔ ''میں نے فرسٹ ایڈ روم میں ان کی بینڈیج کرائی تھی۔ پھر وہ اسی وقت ہوش میں آ گئے تھے اور ایک ویٹر کے ذریعے ٹیکسی تک گئے تھے۔''

''اوہ۔'' بالے کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آئے۔

''کون سا ویٹر تھا جو اسے ٹیکسی تک پہنچا کر آیا تھا؟'' بالے مضطربانہ انداز میں بولا۔

''جناب، میں نے پہنچایا تھا۔'' ایک ویٹر بول پڑا۔

''تمھیں یاد ہے، اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کہاں کا پتا بتایا تھا؟''

''جی ہاں، جناب۔ انھوں نے ٹیکسی ڈرائیور سے جوزف کالونی چلنے کے لیے کہا تھا۔''

''جوزف کالونی۔'' خان ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

پھر منیجر کی طرف مڑ کر بولا۔

مسٹر منیجر، وہ میز اور دیواریں صاف نہیں ہونی چاہئیں، نہ ہی ٹوٹی ہوئی بوتلوں کو اپنی جگہ سے ہٹایا جائے۔ ہمارے سپیشلسٹ ان اشیا کا کیمیاوی تجزیہ کریں گے۔''

''بہت بہتر، جناب۔'' منیجر نے جواب دیا۔

خان چند لمحے توقف کر کے ویٹر کی طرف مڑا۔

''کیا وہ شخص کلب کا مستقل ممبر تھا؟''

''نہیں، جناب۔'' ایک ویٹر نے جواب دیا۔ ''مجھے یاد ہے کہ میں نے انھیں پہلی بار اب سے تین روز قبل دیکھا تھا۔''

''تین روز قبل۔'' خان نے کہا۔ ''ممکن ہے وہ تین روز قبل ہی ممبر شپ میں شامل ہوا ہو۔ کیوں منیجر صاحب؟''

''جی ہاں، ہو سکتا ہے، جناب۔'' منیجر بولا۔ ''تین روز پہلے پانچ نئے ممبران کا

اضافہ ہوا ہے۔''

''غالباً ان کی تصاویر بھی آپ کے پاس محفوظ ہوں گی؟''

''یقیناً، جناب۔ ہم ڈسپلن کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ کلب کے قوانین میں جو تصویریں شناختی کارڈ پر لگائی جاتی ہیں وہ ہمارے پاس محفوظ رہتی ہے۔''

''تب تو تصاویر لایئے، ان ویٹروں کو دکھایئے، ممکن ہے وہ نئے ممبران میں سے ہی کوئی ہو۔''

بہتر ہے، جناب۔'' منیجر نے کہا۔

پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ اتنے میں پھر کسی عوت کی چیخ سنائی دی۔

''غالباً لیڈی سرفراز چیخنے میں بھی وقت کی پابند معلوم ہوتی ہیں۔'' خان نے کہا۔

''جی۔'' بالے متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فرزانہ بھی دیکھ رہی تھی۔

''اب دیکھو نا، پاگلوں کو تو شور کرتے رہنا چاہیے مگر یہ لیڈی سرفراز... چیخ کر سکون سے بیٹھ جاتی ہیں اور پھر چیختی ہیں، چیخ ایک ہی نکلتی ہے۔''

بالے نے الّوؤں کی طرح دیدے نچائے اور اس کی طرف دیکھا۔ اتنے میں منیجر نے نئے ممبران کی تصاویر لے آیا۔ ویٹروں نے پانچوں تصویروں کو دیکھا اور بتلایا کہ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ خان کی پیشانی پر تشویش کی لکیریں ابھر آئیں۔

''خیر۔'' وہ بالے کی طرف مڑا۔ ''اب ہم لیڈی سرفراز کی مزاج پرسی کریں گے۔''

''اوہ، ہاں جناب۔'' منیجر بولا۔ ''میں ان کی طرف سے پریشان ہوں، بتلایئے کیا کروں؟''

''ان کے کسی وارث کو اطلاع کر دیجیے۔'' خان نے کہا۔ ''آ کر ساتھ لے جائے گا۔''

''یہی تو مصیبت ہے، جناب۔'' منیجر پریشان لہجے میں بولا۔ ''مسٹر سرفراز یہاں

کے مستقل ممبر نہیں تھے۔اس لیے ہمارے یہاں ان کا پتا درج نہیں ہے۔یہاں پر آنے ممبران میں سے بھی ان کا کوئی شناسا نہیں تھا۔"

"تو کیا اس سے قبل وہ کلب میں کبھی نہیں آئے تھے؟"

"کبھی نہیں، جناب۔صرف ایک ہفتہ قبل سے آنا شروع کیا تھا۔"

"یہ لوگ اس شہر میں نوارد تھے؟"

"پتا نہیں، جناب۔"

"آپ کو یہاں آنے والوں کے متعلق اتنا بھی نہیں معلوم ہوتا؟"

"جناب، جو مستقل ممبر نہیں ہوتے وہ تو باہر ہی سے ٹکٹ خرید تے ہیں اور اندر آجاتے ہیں۔ان لوگوں کے متعلق کسی قسم کا اندراج نہیں ہوتا۔"

"خیر، آپ ایسا کیجیے کہ براہِ راست پولیس کو مطلع کیجیے اور ان کو پاگل خانے بھجوا دیجیے۔"

"سنیے۔" بالے نے کہا۔"لیڈی سرفراز ن بتلایا تھا کہ اس کا شوہر سرفراز ایک کپڑے کی مل کا مالک ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔" بالے نے منہ بنا کر کہا۔"میرا کیریر تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔"

"میرا مطلب ہے کہ تم نے یہ اطلاع کیوں دی؟" خان مسکرایا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ لیڈی سرفراز اور سرفراز اس شہر میں نووارد نہیں ہو سکتے۔"

"کیوں؟" خان پھر مسکرایا۔"کیا کپڑے کی مل کا مالک ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسی شہر میں رہتا بھی ہو۔"

بالے جھنجلا کر خاموش ہو گیا۔فرزانہ مسکرا پڑی۔لیڈی سرفراز کی چیخ پھر سنائی دی۔

بالے چونک پڑا۔

''اوہ، ہاں ہم لیڈی سرفراز سے ملیں گے۔''

''تشریف لایئے، جناب۔'' مینجر بولا۔

پھر اس نے ویٹروں کو ان کے کاموں پر واپس بھیج دیا۔ وہ لوگ باہر آئے پھر ایک دوسرے کے کمرے میں مڑ گئے۔ مگر انھیں فوراً بچاؤ کرنا پڑا، کیوں کہ لیڈی سرفراز نے اپنا وینٹی بیگ ان پر کھینچ مارا تھا۔ پھر وہ ان سب کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے رکی، دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ جو شے لگی وہی ان لوگوں کی طرف آنے لگی۔

''ویری گڈ۔'' بالے خوشی سے تالی بجا کر بولا۔ ''ویل پلیڈ، لیڈی سرفراز۔ ویل پلیڈ۔''

''شٹ اپ، یو ڈرٹی سوائن۔'' لیڈی سرفراز حلق پھاڑ کر چیخی۔

مینجر اور فرزانہ بوکھلا کر واپس نکل آئے تھے اور دور ہی سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

بالے بڑی گہری نظروں سے لیڈی سرفراز کو دیکھ رہا تھا۔

آپ کے بس کی بات نہیں۔'' بالے مایوسی سے بولا۔

''اوں...؟'' خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

دوسرے ہی لمحے ایک چینی کی پلیٹ اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ وہ بڑی پھرتی نیچے جھک گیا۔ لیڈی سرفراز چیخ رہی تھی۔

''بھاگ جاؤ، سب بھاگ جاؤ۔ ہم اپنے درباری فیصلوں میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے، تم لوگوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی تو ہم سب کو تین تین ماہ کے لیے پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ وزیرِ اعظم، تم کہاں ہو۔ یہ فقیر رعایا ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتی۔''

''یس، مہارانی چنگم چوں۔'' بالے آگے بڑھ کر ادب سے جھکا۔ ''سرکار، وزیرِ اعظم حاضر ہے۔''

Akram Allahabadi

''اوہ، ہم بہت خوش ہوئے۔'' لیڈی سرفراز نے خوش ہوکر کہا۔''بھک منگو کو ہمارے دربار سے نکال باہر کرو۔ ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔فصل کا تیسرا حصہ لگان میں وصول کیا جائے۔ان سے کہو کہ اگلے سال بلیوں کی کاشت اچھی نہیں ہوئی تو ہم انھیں شہد شہد پلا پلا کر مار ڈالیں گے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر کھیتوں میں مٹی کا تیل نہیں دیتے۔جب سینچائی اچھی نہیں ہوگی تو فصل کیا خاک اچھی ہوگی؟''

''آپ درست فرماتی ہیں، مہارانی چنگم چوں۔''بالے مؤدب لہجے میں بولا۔''پھر خان کی طرف آنکھ مار کر بولا۔''تم نے سنا نہیں، گستاخ رعایا۔مہارانی کا حکم ہے کہ لگان معاف نہیں کیا جائے گا۔اگلے سال فصل اچھی ہونی چاہیے۔''

خان جواباً بالے کو آنکھ مار کر مسکرایا اور الٹے پیروں واپس نکل آیا۔بالے نے لیڈی سرفراز سے کہا۔

''مہارانی چنگم چوں، حکم کے مطابق گستاخوں کو نکال دیا گیا۔اب دربار برخواست ہونے کا وقت ہے، مہارانی صاحبہ کو ڈنر لینا ہے۔''

''اوہ۔''لیڈی سرفراز شاہانہ لہجے میں بولی۔''ہم بھول ہی گئے تھے۔وزیر اعظم، ہماری سواری کا انتظام کیا جائے، آج ہماری دعوت ہے ڈیوک آف ٹائیں ٹائیں فش کے یہاں۔''

''جی ہاں، مہارانی چنگم چوں۔''بالے سعادت مندی سے بولا۔

''تو چلو۔''

''چلیے، مہارانی چنگم چوں۔''بالے سعادت مندی سے بولا۔''آپ کی سواری کا انتظام کر دیا گیا۔''

''وزیرِ اعظم، ہمارے باڈی گارڈ کہاں رہ گئے؟''لیڈی سرفراز نے متحیر لہجے میں کہا۔

Akram Allahabadi

''مہارانی چنگم چوں، وہ لوگ بہت کاہل ہو گئے تھے۔کام میں سستی برتا کرتے تھے،لہٰذا میں نے انھیں ریلوے بکنگ آفس میں کلرک بنوا دیا ہے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا،وزیرِ اعظم۔''لیڈی سرفراز نے خوش ہو کر کہا۔

''وزیرِ اعظم ہمیشہ اچھا ہی کرتا ہے،مہارانی صاحبہ۔تشریف لے چلیے۔''

''چلو۔''

لیڈی سرفراز پر وقار انداز میں چلتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔بالے اس کے پیچھے پیچھے مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا نکلا۔اس نے خان،فرزانہ اور کلب کے منیجر کو صدر دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔وہ بھی لیڈی سرفراز کو لیے ہوئے باہر چلا آیا۔خان ایک ٹیکسی کے ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا۔وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

بالے نے اسی ٹیکسی کی طرف اشارہ کیا۔

''مہارانی چنگم چوں کی سواری حاضر ہے۔''

''اوہ،ٹھیک ہے۔''

لیڈی سرفراز شان کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئی اس میں اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ سول پولیس کا ایک سارجنٹ بھی موجود تھا۔لیڈی سرفراز نے بالے سے کہا۔

''وزیرِ اعظم۔''

''جی،مہارانی چنگم چوں۔''

''تم نہیں بیٹھو گے؟''

''بھلا میں مہارانی کے ساتھ بیٹھنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟''

''تو یہ کیا ہمارا باپ لگتا ہے؟''لیڈی سرفراز نے سارجنٹ کی طرف اشارہ کر کے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مہارانی چنگم چوں۔یہ تو آپ کا سیکرٹ سروس اور پرائیوٹ سکریٹری ہے۔''

Akram Allahabadi

''اوہ، اچھا اچھا، مگر کیا تم پیدل دوڑو گے ہماری سواری کے پیچھے؟''

''اوہ، مہارانی چنگم چوں۔ آپ تو ڈیوک آف ٹائیں فائیں فش کے یہاں ڈنر میں مدعو ہیں، میں مدعو نہیں ہوں۔ پھر میں چلا گیا، تو اتنی بڑی ریاست کا بوجھ کون سنبھالے گا۔'' بالے نے کلب کی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سب چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔''

''اوہ، ٹھیک ہے۔ وزیرِ اعظم، تم ہمارا کتنا خیال رکھتے ہو۔ تم واقعی ایک نمک حرام وزیر ہو۔ خدا تم جیسا وزیر سب کو عطا کرے۔''

''الو کی پٹھی۔'' بالے ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

پھر ٹیکسی بڑھ گئی۔ بالے خان کی طرف مڑا۔ خان اس تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالے کا سینہ فخر سے پھول گیا۔

ایسے کاموں میں آپ جناب بالے رحمۃ اللہ علیہ کو آگے کر دیا کیجیے۔''

فرزانہ بھی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ منیجر بولا۔

''واقعی، جناب۔ ایک پاگل کو ہینڈل کرنا معمولی کام نہیں۔''

''واقعی، پاگل کو پاگل ہی ہینڈل کر سکتا ہے۔'' خان مسکرایا۔

''بس رہنے دیجیے۔'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔ ''کھڑے تو ایسے بے بس جیسے چوہا بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کے ارادے سے کھڑا ہو۔''

خان ہنسنے لگا۔ وہ لوگ پھر عمارت میں واپس آ گئے۔ دروازے کھلوا دیے گئے تھے اور جانے والے جا سکتے تھے۔ لوگ گھبرا گھبرا کر بھاگ رہے تھے۔ ان کے سامنے جو حادثہ ہوا تھا وہ معمولی حادثہ تو تھا نہیں۔ بہت سے لوگ تو اب تک اپنے اپنے اذہان پر قابو بھی نہ پا سکے تھے۔

اندر آ کر منیجر نے خان سے کہا۔ ''جناب، آپ نے کیا سوچا؟''

''کس بارے میں؟'' خان چونک کر بولا۔

Akram Allahabadi

''اس کیس کے بارے میں، جناب۔''

''اوہ۔'' خان کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔

پھر وہ فون والے کمرے میں آیا اور اسٹاف کے اسپیشلسٹوں کو کال کیا۔ پھر بالے کی طرف گھوم کر بولا۔ ''چلو۔''

''چلیے۔''

وہ تینوں باہر کی طرف بڑھے۔ میجر ان کے ساتھ باہر تک آیا۔ خان نے اس چند ضروری ہدایات دیں اور پھر وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ راستے میں بالے نے بے صبری سے پوچھا۔

''ہاں، جناب۔ میں نے سب کے سامنے پوچھ گچھ مناسب نہیں سمجھی تھی۔ اب بتلایے کہ اتنی رات کو گھر سے کہاں غائب تھے؟''

بالے کا لہجہ کچھ اس قسم کا تھا کہ فرزانہ کے ساتھ خان بھی ہنس پڑا۔

بالے سنجیدگی سے بولا۔ ''مذاق میں بات نہ ٹالیے۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اب آپ بھی اتنی اتنی رات کو گھر سے غائب رہنے لگیں۔ ہاں بتلایے، کیا ہوا تھا؟ کہاں گئے تھے۔''

''میرا کیس تمہارے کیس کے مقابلے میں کم دلچسپ تھا۔ بہر حال تھا کافی دلچسپ۔'' خان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر اس نے مختصراً ساری روداد دہرا دی۔ اس کے خاموش ہونے کے بعد بالے نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

''تو یہ کہیے، ہو گیا برباد سکون۔''

''یہ کہو کہ مکھیاں مارنے سے نجات مل گئی۔ اب کل تم جوزف کالونی میں اس جواری کو تلاش کرو گے جس سے تمہاری جھڑپ ہوئی تھی اور میں لال برج کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتا

ہوں۔''

''اتنی بڑی جوزف کالونی میں بھلا ایک شخص کو کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے؟'' بالے متحیر لہجے میں بولا۔

''بڑی آسانی سے۔'' خان نے کہا۔

''ذرا میں بھی تو وہ آسان طریقہ سنوں۔''

''جوزف کالونی میں تین طبقے ہیں۔ایک اونچا، دوسرا متوسط اور تیسرا بالکل نچلا۔ اور یہ تینوں طبقے تین علیحدہ علیحدہ حصوں میں رہتے ہیں۔ پہلے اونچے طبقے کے حصے میں چھان بین کرنا ظاہر ہے کہ ڈریم نائٹ کلب کی تفریحات میں حصہ لینے والا معمولی حیثیت کا آدمی نہیں ہو سکتا۔''

بالے نے کوئی جواب نہیں دیا۔چند لمحے بعد وہ فرزانہ کی طرف مڑ کر غصیلے لہجے میں بولا۔''تمہاری زبان کو کیا گوند لگ گیا ہے؟''

فرزانہ ہنسنے لگی۔بالے سنجیدگی سے بولا۔

''نہیں، ہنسنے کی بات نہیں۔بولتی بالتی رہا کرو، ورنہ گونگی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔''

فرزانہ پھر ہنسنے لگی۔خان کسی سوچ میں ڈوبا ہوا فریگیٹ ڈرائیو کر رہا تھا۔پھر وہ سب ہی خاموش ہو گئے۔بالے نے طویل جماہی لے کر منہ پر ہاتھ مارا۔وہ دراصل اس وقت تمباکو کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔مگر اس کا تمباکو کا پاؤچ اور سگریٹ پیپر کا پیکٹ تو برباد ہی ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

جوزف کالونی میں

دوسرا دن ان لوگوں کے لیے بڑا ہنگامہ خیز ثابت ہوا تھا۔

ناشتے کے بعد خان نے بالے سے کہا تھا۔

''بس اب تم دفع ہو جاؤ۔ میں زیادہ کاہلی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''بہتر ہے۔'' خلافِ توقع بالے نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔ ''بس یہ سلائس ختم کر لوں۔''

فرزانہ، بالے کی سعادت مندی پر اسے بڑی حیرت سے دیکھا تھا، مگر اس وقت بھی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ضرور تھی، وہ عموماً خان کے سامنے قہقہہ کے ساتھ ہنسنے سے احتراز کرتی تھی۔ زیادہ خاموش ہی رہتی تھی، مبادا اس کے ہونٹوں سے کوئی ایسا جملہ نہ نکل جائے جو خان کے لیے ریمارک ہو۔ وہ خان کا جتنا ادب کرتی تھی اتنا ادب شاید اس نے زندگی میں کسی بزرگ کا بھی نہیں کیا تھا۔

بالے نے بڑی سنجیدگی سے ناشتہ ختم کیا اور اٹھ گیا۔ فرزانہ رات کو انہی لوگوں کے ساتھ کوٹھی کی طرف چلی آئی تھی۔

مگر ناشتہ کر کے اٹھنے کے بعد بالے تھوڑی دیر بعد پھر واپس آ گیا۔ اس بار اس کے ہاتھ میں تمباکو کی پاؤچ اور سگریٹ پیپر کا پیکٹ تھا۔ خان نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''کیوں، تم اب تک یہیں ہو؟''

''میں صرف ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔'' بالے کا لہجہ انتہائی شریفانہ تھا۔

''کہو۔''

''کیا میں اس لاش کے درشن کر سکوں گا، جو آپ کو کال بوتھ میں ملی تھی؟''

''کیا کرو گے؟''

''مزاج پرسی کروں گا۔''

خان مسکرایا۔''میں گیارہ بجے کے بعد سول ہسپتال پہنچ سکوں گا۔''

''اور میں۔''بالے نے رک کر ایک طویل سانس لیا۔''شاید اسی وقت تک میں بھی وہاں پہنچا دیا جاؤں گا۔مطمئن رہیے۔''

فرزانہ پھر مسکرائی اور بالے اس کی طرف دیکھے بغیر ڈائننگ روم میں سے نکل آیا۔ اس نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔باہر آ کر اس نے گیراج سے آسٹن نکالی۔تھوڑی دیر بعد چھوٹی سی آسٹن سڑک پر پھسل رہی تھی۔

اور بالے۔وہ سوچ رہا تھا کہ جوزف کالونی کے اتنے بڑے علاقے میں وہ ایک ایسے شخص کو،جس کے نام سے بھی وہ واقف نہیں،کہاں اور کیسے ڈھونڈے گا؟ حالاں کہ خان کی بتلائی ہوئی تجویز بھی بے کار نہیں تھی۔تاہم جوزف کالونی معمولی جگہ نہیں تھی۔

جوزف کالونی دراصل ایک پرانے سرمایہ دار کے نام پر موسوم تھی۔سر جوزف نے یہاں کپڑے کا ایک مل تعمیر کرایا تھا۔کام اعلیٰ پیمانے پر کیا تھا۔زیادہ تر کاری گر غیر ممالک سے بلوائے گئے تھے۔ان کی رہائشی جگہیں چھوٹی چھوٹی کوٹھیوں کی شکل میں مل سے کچھ فاصلے پر بنوائی تھی۔جوزف کو اپنے مل کے ملازمین کی سہولیات کا بھی خاص خیال تھا،چناں چہ اس نے چھوٹی کوٹھیوں کے علاوہ مل کے نزدیک ہی ایک بہت بڑا پلاٹ خرید کر اس میں ہندوستانی ملازم کلرکوں وغیرہ کے لیے اس سے ذرا گھٹیا قسم کی رہائش گاہیں تعمیر کرا دی تھیں۔اور مزدور طبقے کے لیے کوارٹر تعمیر کروا دیے تھے۔اس طرح یہ کالونی تین حصوں میں منقسم ہو گئی تھی۔

پھر کسی وجہ سے جوزف کو مل فروخت کر دینا پڑا۔ساتھ میں اس نے وہ رہائش گاہیں بھی فروخت کر ڈالیں۔پھر وہاں مل کے عملے کی بجائے عام لوگ رہنے لگے۔مگر رہائش گاہوں کی فروخت درجوں کے اعتبار سے ہی ہوئی تھی۔چناں چہ اچھی رہائش گاہیں اچھی حیثیت کے

لوگوں نے خرید لی تھیں۔ درمیانی رہائش گاہیں درمیانی حیثیت کے لوگوں نے اور نچلی رہائش گاہیں نچلی حیثیت کے لوگوں نے۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ کالونی عوام کی توجہ کا مرکز بنتی چلی گئی تھی۔ کیوں کہ وہ شہر سے فاصلے پر ایک خوب صورت جگہ میں واقع تھی۔ دراصل سر جوزف کو اپنے ملازمین کا خاص خیال رہتا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے کالونی کو خوب صورت سے خوب صورت تر بنانے میں پوری کوشش صرف کر دی تھی۔ اسی میں ایک چھوٹا سا خوب صورت پارک بھی بنا ہوا تھا۔ کئی اچھے اچھے ہوٹل بھی تھے۔

لہٰذا رفتہ رفتہ کالونی کی آبادی بڑھتی رہی۔ عام لوگ بھی وہاں رہائش گاہیں بنوانے لگے، مگر سر جوزف نے جس ترتیب سے چھوٹے بڑے اور درمیانی طبقوں کی رہائش گاہیں بنوائی تھیں، وہ ترتیب نہیں مٹی۔ لہٰذا کالونی تین حصوں میں ہی تقسیم رہی۔ اس کے بعد پھر وہ کالونی سر جوزف والی کالونی پکارے جانے لگی اور اس کے بعد جوزف کالونی بن کر رہ گئی۔

لہٰذا بالے سوچ رہا تھا کہ ایک طرح خان کا خیال ٹھیک بھی تھا۔ وہ بڑے طبقے کی رہائش گاہوں کے درمیان ایک چکر لگا لیتا۔ ظاہر ہے کہ ڈریم نائٹ کلب کی تفریحات میں حصہ لینے والا کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں ہو سکتا ہے۔

لیکن پھر بھی یہ ضروری تھا کہ اس شخص کا نام تو معلوم ہونا ہی چاہیے۔ بنا نام کے تو بہت ہی مشکل کام تھا کسی کو تلاش کر لینا۔ بہر حال وہ سوچتا رہا اور آسٹن جوزف کالونی کی طرف بھاگتی رہی۔

جوزف کالونی کی حدود میں داخل ہوتے ہی بالے نے آسٹن کی رفتار کم کر دی۔ وہ بہت ہی آہستہ آہستہ آسٹن چلاتا ہوا کالونی کے درمیان سے گزرنے لگا۔ ایک سمت رہائش گاہیں تھیں اور دوسری سمت میں اسی معیار کا بازار، جس میں دنیا کی ہر شے مل سکتی تھی۔

اس کی نگاہیں ہر آنے جانے والے کا تعاقب کرتی رہیں۔ مگر اتنے آدمیوں میں

ایک مخصوص شخص کو تلاش کر لینا کوئی ہنسی کھیل تو تھا نہیں۔ ویسے اسے یہ حرکت بھی کچھ حماقت انگیز ہی لگ رہی تھی۔

مگر کیوں کہ حماقت کا حکم خان صاحب سے ملا تھا، لہٰذا اس حماقت میں بھی کہیں کہیں عقل مندی کا پہلو پوشیدہ ہونا ضروری تھا کیوں کہ وہ سوچ رہا تھا کہ ضروری نہیں جس شخص کی انھیں تلاش ہے وہی کارآمد مہرہ ثابت ہو سکے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قطعی غیر متعلق شخص ہو۔ اس معاملے سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ کیا ضروری ہے کہ وہ شخص اتفاقاً کسی کام سے ریفریجریٹر روم سے چلا گیا ہو، تو وہی اس حادثے کا ذمہ دار بھی ہو۔

وہ سوچتا رہا۔ آسٹن رینگتی رہی۔

ایک بار پورا راؤنڈ کر لیا گیا۔ پھر وہاں سے واپس چلا تو اس کی کھوپڑی ہوا میں ناچ رہی تھی۔ اسے اس بے تکے حکم پر خان پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ بھلا ایک شخص کو تلاش کیجیے جس کے نام تک سے واقفیت نہ ہو اور تلاش بھی کہاں کیجیے، جوزف کالونی میں؟

اس نے جھلا کر آسٹین روک دی اور نیچے اتر آیا۔ آسٹن رکتے ہی ایک کانسٹیبل اس کے نزدیک آ گیا۔

"اے مسٹر، یہ عام سڑک ہے، گاڑی ایک طرف لگایے۔"

بالے کی طبیعت تو چاہی کہ الٹے ہاتھ کا جھاپڑ رسید کر دے، مگر پھر اسے اپنی حماقت کا بھی احساس ہو گیا۔ کیوں کہ اس نے غصے کی زیادتی سے اندھا ہو کر گاڑی بالکل سڑک پر ہی روک دی تھی۔ وہ پلٹ کر آسٹن میں بیٹھ گیا۔ اور پھر مشین اسٹارٹ کر کے گاڑی ایک کنارے لگائی اور اتر آیا۔ اس کا رخ سامنے کے ایک اچھے سے ریستوران کی طرف تھا۔

ابھی وہ ریستوران میں داخل بھی نہ ہوا تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ تخاطب کا یہ طریقہ اسے انتہائی ناگوار گزرتا تھا۔ وہ جھلا کر پلٹا، مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے نکل پڑیں۔ اس کے سامنے وہی شخص کھڑا مسکرا رہا تھا جس کی اسے تلاش

تھی۔اس کے سر پر بینڈ یج ہو رہی تھی۔اور ہونٹ بھی سوجا ہوا تھا۔اس نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی بے عزتی بھول جاؤں گا۔میں ہزار برس کے بعد بھی اپنی اپنی بات یاد رکھ سکتا ہوں، بشرطیکہ عمر وفا نہ کرے۔اپنی ہتکِ عزت کا بدلہ میں تم سے قبر میں بھی لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔میں اگر مر بھی گیا تو میرا بھوت تم سے بدلہ لے گا۔تم مر گئے تو قبر سے تمہاری لاش اکھاڑ کر میں تم سے انتقام لوں گا، سمجھے؟''

''ویری گڈ۔''بالے نے خوشی کا مظاہرہ کیا۔''ایسے لوگوں سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔''

دراصل وہ یہاں سڑک پر ہنگامہ نہیں چاہتا تھا۔ابھی یہاں اسے گرفتار کرتا تو لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی۔اس سے علاوہ وہ اس مغرور کو سبق دینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔وہ شخص پھر مسکرایا اور اسی لہجے میں بولا۔

''میں جانتا ہوں، تم کل کی چویشن کے ہیرو بن گئے تھے۔مگر جوزف سے ٹکرانا معمولی بات نہیں۔یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔''

''جوزف، جس کے نام پر یہ کالونی ہے؟''بالے حیرت سے بولا۔

''جہنم میں گیا وہ جوزف۔''جوزف نے ہاتھ ہوا میں لہرایا۔''اسے مرے ہوئے بھی دس بارہ سال ہو گئے۔میرا نام جوزف ہے، اس کا مطلب یہ تھوڑے ہی ہے کہ میں نے ہی یہ کالونی آباد کرائی ہے۔دنیا میں ہزاروں جوزف ہوں گے، مگر یاد رکھو ایک جوزف کے نام سے یہ کالونی آباد ہے، دوسرے جوزف کے نام سے اس کالونی کا بچہ بچہ تھراتا ہے۔''

''اچھا؟''بالے حیرت سے بولا۔''تمہیں غلط فہمی ہو گئی۔بچوں کو سردی لگ گئی ہو گی۔یقین نہ ہو تو پوچھ لو؟''

''فکر نہ کرو، دوست۔پتا لگ جائے گا کہ سردی لگ گئی ہے یا گرمی؟''

''نہیں، سردی، گرمی نہیں۔'' بالے نے سنجیدگی سے بولا۔ ''یقین نہ ہو تو کسی سے پوچھ کر بتلاؤں؟''

پھر اس نے سچ مچ ایک گزرے ہوئے آدمی کو روک ہی لیا۔

''ارے بھائی صاحب، ذرا بات سنیے گا۔''

آدمی شریف صورت اور خوش پوش تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شریف آدمی اسے پکار رہا ہے، وہ رک گیا۔ بالے نے اس سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

''جناب، آپ کو سردی لگ گئی ہے؟''

''کیا مطلب؟'' وہ شخص بھنا گیا۔

''مطلب ان سے دریافت کیجیے۔'' بالے نے بڑی سنجیدگی سے جوزف کی طرف اشارہ کیا۔

''میں سمجھا نہیں، جناب؟'' اس شخص کے لہجے میں تحیر تھا۔

''یہ فرما رہے ہیں کہ آپ کانپ رہے ہیں۔''

جوزف نے بھنا کر بالے کی طرف دیکھا۔ وہ آدمی دونوں کو باری باری حیرت سے دیکھنے لگا پھر بالے سے مخاطب ہو کر بولا۔

''جناب، آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟''

''اے۔'' جوزف نے اس اجنبی کو مخاطب کیا۔ ''تم آگے بڑھو، یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔''

''آپ کو شریف آدمی سے گفتگو کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔'' وہ آدمی بگڑ گیا۔

''مسٹر، جوزف کو سلیقہ سکھانے والا اس کالونی میں کوئی نظر نہیں آتا۔''

''جج... جوزف صاحب۔'' وہ آدمی ہکلایا۔ ''وہ دیکھیے نا کسی شریف آدمی کو اس طرح سرِ راہ روکنا کہاں کی شرافت ہے؟''

Akram Allahabadi

''تم جاؤ، اس پاگل کو میں ٹھیک کر دوں گا۔'' جوزف سنجیدگی سے بولا۔

وہ شخص جوزف کو بڑے مؤدبانہ انداز میں سلام کر کے بھاگ گیا۔ اس کے رخصت ہونے کا انداز جیسے ہوا پر اڑا جا رہا ہو۔ بالے نے ایک طویل سانس لی۔ اسے جوزف کے بیان پر یقین نہیں تھا، مگر اب اسے یقین آ گیا کہ واقعی جوزف اس کالونی کے داداؤں میں ہے۔

جوزف نے بالے کی طرف گھوم کر کہا۔

''کہو دوست، دیکھ لیا؟''

''ہاں، دوست۔'' بالے مسکرایا۔ ''اب یقین آ گیا۔ یہ سالے ضرور کانپتے ہوں گے، مگر میں کانپنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا کیوں نہ ہم لوگ ایک کپ گرم گرم کافی پی لیں۔''

''میں تمہیں کافی بھی پلاؤں گا۔'' جوزف مسکرایا۔ ''جوزف اپنے دشمن کی کوئی حسرت دل میں نہیں رہنے دیا کرتا۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

بالے، جوزف کے ساتھ ریستوران میں ایک میز پر بیٹھ گیا۔ جوزت نے بڑے اکھڑ انداز میں کافی کا آرڈر دیا۔ بالے نے اس سے کہا۔

''سنیے، جوزف صاحب۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں ذرا ایک دوست کو فون کر لوں؟''

''ضرور کرو، کوئی حسرت دل میں نہ رہ جائے۔'' جوزف مسکرایا۔

''شکریہ۔'' بالے اٹھ گیا۔

''ویٹر میز پر پانی کے گلاس رکھ رہا تھا۔ بالے اٹھ کر کاؤنٹر پر آیا اور کاؤنٹر کلرک کی اجازت سے فون کا رسیور اٹھایا اور کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے۔ اتفاقاً خان اس وقت کوٹھی پر موجود نہیں تھا۔ رسیو کرنے والی فرزانہ تھی۔ بالے نے پوچھا۔

''تمہیں پتا ہے وہ کہاں گئے ہیں؟''

''ہاں، وہ علاقہ نمبر ۱۴ کی کوتوالی کی طرف گئے ہیں۔''

''اوہ، مگر کیوں؟''

''مجھے پتا نہیں۔ میں ریڈنگ روم میں گئی تھی۔ باہر آئی تو ملازموں نے بتایا۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ کہہ گئے ہیں کہ بالے کا فون آئے تو اس سے کہو کہ وہ ادھر ہی فون کرے۔''

''ہوں۔''

''مگر سنو، میں اکیلی گھبرا رہی ہوں۔''

''ملازم جو ہیں۔''

''اچھا اب میں ملازموں کے منہ لگاؤں گی؟'' فرزانہ ہنس پڑی۔

''تو کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف چلی جاؤ، خان صاحب نے حال ہی میں دو عربی نسل کے شاندار گھوڑے خریدے ہیں۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر اس نے بغیر جواب کا انتظار کیے ڈسکنکٹ کر دیا۔ پھر کوتوالی علاقہ نمبر ۱۴ کے نمبر ڈائل کیے۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''انچارج اٹنڈنگ۔

''میں خان صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ، جناب وہ تو ابھی ابھی سول ہسپتال کی طرف گئے ہیں۔''

بالے نے جھلا کر رسیور رکھ دیا۔ پھر سول ہسپتال کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے رسیو کرنے والا کوئی ڈاکٹر ہی تھا۔

''براہِ کرم خان صاحب کو بلا دیجیے۔'' بالے نے کہا۔

''آپ نے انھیں کون سے وارڈ میں داخل کرایا تھا؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

بالے نے رسیور کان سے ہٹا لیا اور اسے اس طرح گھورا جیسے اس نے بالے کو گالی دے دی ہو۔ پھر رسیور کان سے لگا کر بولا۔ ''جناب، میں کسی مریض کا تذکرہ نہیں کر رہا۔''

Akram Allahabadi

"جناب، یہ ہسپتال ہے۔ یہاں قصہ حاتم طائی یا طوطا مینا کا تصویر نہیں ملتا۔"

دوسری طرف سے کہا گیا پھر ڈسکنکٹ کر دیا گیا۔ بالے نے جھلا کر رسیور پٹک دیا پھر وہ بڑے غصے جھلا کر مڑا۔ ویٹر میز پر کافی کی پیالیاں رکھ رہا تھا اور جوزف پانی کا گلاس حلق میں انڈیل رہا تھا۔

مگر پھر پانی پورا بھی نہیں اترا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور بالے اپنی جگہ کھڑا ہوا آنکھیں پھاڑے رہ گیا۔ اطراف کی میز والوں نے اچھل کر اس میز کی طرف دیکھا اور ویٹر، وہ تو شاید یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی اس شخص نے پانی پیا تھا، ابھی یہ شخص غائب بھی ہو گیا۔

پھر ان خون کے چھینٹوں اور گوشت کے قیمے کی طرف تو لوگوں کا دھیان چند لمحے بعد گیا جو اطراف میں پھیلے ہوئے تھے اور جن میں اس میز پر سرو کرنے والا ویٹر لت پت ہو چکا تھا۔

دوسرے ہی لمحے ایک دم شور گونج اٹھا۔ ریستوران بہت بڑا نہیں تھا۔ پھر بھی خاصہ تھا اور کئی میزوں پر پانی کے گلاس موجود تھے۔

گھبرا کر تین چار آدمیوں کے گلاس اٹھے اور منہ سے لگ گئے۔ بھڑاق... بھڑاق... بھڑاق... بھڑاق... چار دھماکے ہوئے اور چار آدمی غائب ہو گئے۔

باقی گاہک، مع مینجر، کاؤنٹر کلرک اور دوسرے افراد کے ہوٹل سے چیخ چیخ کر بھاگ نکلے۔ مگر بالے، وہ اب بھی اپنی جگہ پر متحیر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

دفعتاً اس نے باہر ایک زبردست شور سنا۔ وہ چونک کر باہر نکلا۔ اس کے سامنے والے ہوٹل سے بھی اسی طرح لوگوں کا اژدھام ابلتے دیکھا تھا۔ پھر اس سے اگلے ہوٹل میں بھی ایسا ہی ہوا اور اس کے بعد لوگ گھروں سے بھی چیخ مار مار کر نکلتے دیکھے گئے۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے جوزف کالونی پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

بالے بوکھلایا ہوا آسٹن کے نزدیک کھڑا تھا اور سڑک پر لوگ اِدھر سے اُدھر بھاگتے

پھر رہے تھے۔ بالے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے؟ اس کی سمجھ میں یہی نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا؟ لوگ کیوں بھاگتے پھر رہے ہیں؟

بالے نے کچھ سوچا اور ایک شخص کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ بدحواسی میں اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑا کر بھاگتا چلا گیا۔ بالے نے دوسرے شخص کو روک کر پوچھا۔

''کیا ہوا، بھائی۔ کچھ بتلایئے تو؟''

''پپ... پتا نہیں، جناب۔'' وہ ہانپتا ہوا ہاتھ چھڑا کر بھاگا۔

بالے نے ایک تیسرے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر ایک سریلی سی چیخ سن کر وہ بوکھلا گیا۔ کیوں کہ اس نے کسی عورت کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''مم... معاف کیجیے گا، محترمہ۔'' بالے بوکھلا گیا۔

''معاف کا بچہ۔'' وہ عورت تڑخی۔ ''موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، غنڈہ۔''

پھر وہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ بالے نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کوئی موقعہ ہوتا اور لوگ لوگ اس طرح بدحواس نہ ہوتے تو شاید بالے صاحب کی اتنی مرمت ہوتی کہ صورت بھی نہ پہچانی جا سکتی۔ چند لمحے بعد اس نے حواس درست کیے اور ایک آدمی کو غور سے دیکھا، جب یقین ہو گیا کہ وہ کوئی مرد ہی ہے، تب تک وہ دور نکل چکا تھا۔

بالے نے جھلا کر اپنے سر پر دو ہتڑ رسید کیا اور ایک آدمی کی پیچھے سے ہی کولی بھر لی۔ وہ آدمی بلبلا کر چیخ پڑا۔

''ارے... بب... بچاؤ، مرا...''

بالے نے بوکھلا کر اسے چھوڑ دیا۔ کیوں کہ وہ طارق ہی تھا، انسپکٹر طارق۔ وہ پلٹ کر دیکھے بغیر بھاگا، مگر بالے نے پیچھے سے اس کا کالر پکڑ لیا۔

''ارے، باپ رے باپ۔'' طارق بوکھلا گیا۔

''او طارق کے باپ۔'' بالے نے جھٹکے دے کر کہا۔

Akram Allahabadi

طارق بوکھلا کر پلٹا اور پھر بالے پر نظر پڑتے ہی اچھل پڑا۔

''ارے..بھب...بھاگیے، جناب۔''

''بھاگنے کے بچے، ہوا کیا؟ یہ کیوں بھاگ رہے ہیں؟''

''پھپ...پھٹ گئے..بھب...بھاگ رہے ہیں طارق بوکھلا کر بولا۔

''کون پھٹ گئے؟''

''سب پھٹ گئے...بب...بہت سارے پھٹ گئے۔بب...بچے بھی اور بوڑھے بھی۔''طارق ہانپتا ہوا بولا۔

''اوہ۔''بالے کی سمجھ میں اب بات آئی۔اور وہ ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔

چھچ...چھوڑ دیجیے، جناب۔''طارق تکلیا کر بولا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟''بالے نے پوچھا۔

''خخ...خدا کے لیے، چھچ...چھوڑ دیجیے۔مم...میں بھی پھٹ گیا تو مم...میرے...ڈڈ...ڈیڈی...یتیم ہو جائیں گے۔ایں...ایں...بھیں...بھیں...''طارق باقاعدہ رونے لگا تھا۔

''ابے چپ۔''بالے بوکھلا کر بولا۔

پھر اس نے طارق کا کالر چھوڑ دیا اور وہ چھوٹتے ہی اس طرح بھاگ پڑا جیسے اگر اس نے ایک لمحے کا بھی توقف کیا تو وہ بھی ان لوگوں کی طرح پھٹ جائے گا۔''

اس کے جانے کے بعد بالے کافی دیر تک بوکھلائے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھتا رہا۔پھر اسی ریستوران میں گھس گیا، جس میں وہ جوزف کے ساتھ داخل ہوا تھا۔کاؤنٹر پر فون موجود تھا۔اس نے سول ہسپتال کے نمبر ڈائل کیے اور رسیور کان سے لگا لیا۔

''ہیلو، ڈاکٹر مزمدار اسپیکنگ۔''

''اوہ، ڈاکٹر صاحب۔''بالے نے ایک طویل سانس لی۔''میں بالے بول رہا ہوں، کیا خان صاحب موجود ہیں؟''

ڈاکٹر مزمدار اصل میں ان کا واقف کار تھا۔ بالے سوچ رہا تھا کہ اچھا ہوا اسی ڈاکٹر سے سابقہ نہیں پڑا جو پہلے مل گیا تھا۔

ڈاکٹر مزمدار کہہ رہا تھا۔ ''آہاں، موجود ہیں، بلاؤں؟''

''جی ہاں، مہربانی ہوگی، شکریہ۔''

''ہولڈ اپ کیجیے۔''

بالے رسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔ چند ہی لمحوں بعد خان فون پر آ گیا اور بولا۔

''ہیلو، تم کہاں سے بول رہے ہو؟''

''میدانِ حشر سے۔'' بالے نے جواب دیا۔ ''مگر خدا نے اس وقت تک حساب کتاب کرنے سے انکار کر دیا ہے کب تک کہ آپ نہ پہنچ جائیں۔ ویسے اسرافیل علیہ السلام صور پھونک چکے ہیں۔''

''بکو مت۔'' خان خشک لہجے میں بولا۔ ''کام کی بات کرو۔'' پھر وہ چونکا۔ ''ارے، میں رسیور پر ہلکا ہلکا شور سن رہا ہوں، کیا معاملہ ہے؟''

''میدانِ حشر۔ جوزف کالونی کے لوگوں کے اعمال نامے آپ ہی کو تیار کرنے ہیں۔ فوراً آیئے۔ میں ڈی سینٹ ریستوران سے بول رہا ہوں۔ مگر یہ قبر کی طرح خالی ہے، یہاں سے مردے اٹھ اٹھ کر بھاگ چکے ہیں۔'' پھر اس نے ڈسکنکٹ کر دیا اور باہر نکل آیا۔

باہر سڑک پر اب ہڑبونگ تو نہیں تھی، مگر ہیجان بدستور تھا۔ لوگ بھاگ تو نہیں رہے تھے، نہ ہی بوکھلائے ہوئے ادھر ادھر ٹکریں مار رہے تھے، مگر ایک شور مچا ہوا تھا۔ لوگوں کو اپنے عزیزوں کی موت کا اتنا غم نہ تھا جتنا حیرت و خوف ان عجیب حادثوں پر تھا۔ لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ یہ حال صرف اونچے طبقے کے لوگوں میں ہی نہیں تھا، درمیانی اور نچلے طبقے کے حلقوں میں بھی یہی حال ہوا تھا۔ اور وہ لوگ اسے طرح طرح کی قیاس آرائیوں سے سجا رہے تھے۔ کسی کو آسیب کا خیال تھا کسی کو قربِ قیامت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

بالے سوچ رہا تھا کہ وہ ایک راؤنڈ مارے مگر پھر اسے خان کا خیال آ گیا اور وہ وہیں ریستوران کے سامنے رکا رہ گیا۔ دفعتاً پولیس کی ایک جیپ نظر آئی جس پر ایک لاؤڈ اسپیکر فٹ تھا اور وہ لوگوں سے پرامن رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ ویسے اس حادثے پر شاید خود پولیس والوں کو بھی حیرت ہی تھی، کیوں کہ انھیں وہ الفاظ ہی نصیب نہیں ہو رہے تھے جن سے وہ لوگوں کو صحیح معنوں میں تسلی دے سکتے۔ بس وہ یہی چیخ رہے تھے۔ ''براہِ کرم پرامن رہیے۔'' ''برائے مہربانی سڑک پر شور نہ مچایئے۔'' ''پولیس حادثوں کے بارے میں چھان بین کر رہی ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

بالے نے جیب سے سگریٹ پیپر کا پیکٹ اور تمباکو کا ٹن نکالا اور آسٹن کے فٹ بورڈ پر پاؤں رکھ کر سگریٹ بنانے لگا۔ سگریٹ مکمل کر کے اس نے سلگایا ہی تھا کہ اسے بھیڑ میں خان نظر آیا۔ وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ شاید گاڑی اسے بھیڑ کی وجہ سے کالونی سے باہر ہی چھوڑ دینا پڑی تھی۔ سڑک پر لاتعداد چھوٹے چھوٹے بچے تھے کوئی بھی لمحے زد میں آ سکتے تھے، کیوں کہ ان کے وارثوں کو بچوں تک کا ہوش نہیں رہا تھا۔

چند لمحے بعد خان اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔ بالے نے یاس کی طرف دیکھا اور سگریٹ کا کش لے کر بولا۔ ''وہ جواری ملا تھا۔''

''اوہ۔'' خان نے پوچھا۔ ''تم نے اسے جانے دیا۔''

''جناب، اسے میں تو کیا دنیا کی کوئی ہستی نہیں روک سکتی تھی۔ اس کا ویزا بن چکا تھا۔''

''اوہ، یعنی وہ بھی...؟''

''جی ہاں۔ اگر میں فون کرنے نہ اٹھ گیا ہوتا تو یہاں کے عملے کے لوگوں سے سوٹ مانگنا بھی نصیب نہ ہوتا۔''

''ہوں۔'' خان نے ایک طویل سانس لی اور بوکھلائے ہوئے مجمع کو پرتشویش

نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

بالے چند لمحے تک خاموش بیٹھا رہا پھر بولا۔ ''اس کا نام جوزف تھا۔''

''جوزف؟'' خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں۔ جوزف کالونی میں اس کا کافی اثر تھا۔''

''اوہ، ٹھیک ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ غالباً وہ یہاں کا دادا شمار کیا جاتا تھا۔''

''جی ہاں، جی ہاں، وہ یہی کہہ رہا تھا۔'' بالے جلدی سے بولا۔

''جوزف کالونی میں اس کا اڈّا ہے، یہاں وہ اعلیٰ پیمانے پر جوا کھلاتا تھا۔ مگر بڑے لوگوں کی سرپرستی حاصل تھی، لہٰذا پولیس ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتی تھی۔ میری نظروں میں وہ کافی عرصے سے تھا۔''

''ایک بات بتلایئے؟'' بالے سنجیدگی سے بولا۔

''پوچھو۔''

''آپ کی نظر سے دنیا کا کوئی غیر شریف آدمی بچا رہتا ہے؟''

خان جواب دیے بغیر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''اب بتلایئے، جناب، کیا اب بھی آپ کو یہی شبہ ہے کہ سرفراز کی لاش کے چیتھڑے بکھر جانے میں جوزف ہی کا ہاتھ ہے؟''

بھلا اب یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے؟'' خان نے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''جوزف خود بھی ایسی ہی حادثے کا شکار ہوا ہے۔''

''آپ خود سوچیے۔'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔ ''کوئی آپ کو سوچنے سے تھوڑے ہی روک سکتا ہے۔''

''برخوردار، ایک بات بتلاؤ گے؟''

''میں کوئی بات بتانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''جانے دو۔'' خان لاپرواہی سے بولا۔

''اب یہاں کھڑے کھڑے کیا کریں گے؟''

''تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا؟''

''غلطی ہوگئی، معافی چاہتا ہوں۔''

''چلو، یہاں کے عوام کو پرسکون کرنا بڑا مشکل کام ہے۔''

''ان لوگوں کو کیسے پرسکون کیا جا سکتا ہے؟'' بالے نے طویل سانس لیا۔''ابھی تو زخم ہرے ہیں، تکلیف کی شدت تو جب ہی محسوس ہوگی، جب ٹھنڈی ہوا لگے گی۔ابھی تو تحیر کی زیادتی سے یہ لوگ اپنے ان عزیزوں کو بھولے ہیں جو حادثات کا شکار ہوئے، جب یہ ہنگامہ دبے گا تب ان کی گریہ وزاری دیکھنے سے تعلق رکھتی ہوگی۔''

''ٹھہرو۔'' خان نے کہا۔''میں ابھی آتا ہوں۔''

بالے وہیں کھڑا رہ گیا۔خان اس جیپ کار کی طرف بڑھ گیا جس پر سے لوگوں کو پرامن رہنے کی ہدایات دی جارہی تھیں۔بالے اسے دیکھتا رہا وہ جیپ میں بیٹھے ہوئے پولیس انسپکٹر سے کچھ کہہ رہا تھا۔پھر اس نے پولیس انسپکٹر کو چونک کر مؤدبانہ انداز میں سلام کرتے دیکھا۔پھر اس کے بعد بھی خان کافی دیر تک اسے سمجھاتا رہا۔بالے نے پولیس انسپکٹر کی آنکھوں میں حیرت کے آثار دیکھے تھے۔چند لمحے بعد خان واپس آگیا۔بالے نے پوچھا۔

''کیا پڑھا آئے بے چارے کو؟''

''ابھی سن لینا۔وہ سب کو پڑھانے والا ہے۔''

بالے کچھ کہنے ہی جارہا تھا کہ لاؤڈ اسپیکر پر انسپکٹر کی آواز گونج اٹھی۔

''آپ لوگوں سے بار بار گزارش کی جارہی ہے کہ پرامن رہیے۔اس طرح ہنگامے برپا کرنے سے وہ حادثات ٹل نہیں جائیں گے جو ہو چکے ہیں۔اور ہاں ایک بات کا خاص خیال رکھیے تا اعلانِ ثانی آپ لوگ وہ پانی ایک بوند بھی نہ استعمال کریں جو آج صبح سے

اب تک بھرا گیا ہے۔ایک بار پھر سن لیجیے۔آپ لوگ وہ پانی ہرگز نہ استعمال کریں جو صبح سے اب تک بھر گیا ہے، ورنہ آپ میں سے ہر آدمی وہ پانی استعمال کرنے والا ویسے ہی حادثے کا شکار ہو جائے گا جیسے اب تک بیشتر لوگ شکار ہو چکے ہیں۔"

یہی اعلان بار بار دہرایا جاتا رہا۔بالے نے خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"غالباً اب آپ واٹر ورکس والوں کو ٹٹولیں گے؟"

"ظاہر ہے۔"

"مگر وہاں ڈریم نائٹ کلب میں کوئی واٹر ورکس والا نہیں تھا۔"

"اب تم خاموشی سے حالات کا مشاہدہ کرتے رہو۔تمہاری ذہنی صلاحیتیں ایک دم کند ہو کر رہ گئی ہیں۔ان پر دھار رکھوانا ضروری ہے۔"

"آج شادی کر دیجیے، اگر کل ہی فرسٹ کلاس قسم کی دھار نہ رکھ جائے تو مجھ سے کہیے گا۔"

خان برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔چند لمحے بعد بالے نے کہا۔

"اب یہاں کھڑے کھڑے ہم کیا کریں گے؟"

"کچھ بھی نہیں، چلو۔"

"آپ کی گاڑی کہاں ہے؟"

"باہر۔چلو آسٹن چھوڑ چھوڑ دو، پھر آتی رہے گی۔اس وقت یہاں سے نکالنا ممکن ہے۔ایک آدھ بچہ ہی حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔"

بالے نے آسٹن چھوڑ دی، البتہ ایک کانسٹیبل سے اس کی نگرانی کے لیے کہہ دیا گیا۔ پھر وہ لوگ کالونی سے باہر کی طرف بڑھے۔راستے میں بالے نے چونک کر کہا۔

"ارے، یہاں طارق بھی ملا تھا۔"

"ضرور ملا ہوگا۔"

Akram Allahabadi

''کیا مطلب؟''

''بھئی، تھا تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''کچھ نہیں، جناب۔ وہ جہنم میں بھی ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''بھئی، تمہیں شاید علم نہیں۔ آج کل وہ یہاں اپنے ایک دور کے عزیز کے یہاں پیئنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ اس نے اپنا فلیٹ چھوڑ دیا تھا۔''

''اوہ، میرا خیال ہے اس کے عزیزوں میں سے بھی کوئی گیا۔''

پھر اس نے طارق کے بارے میں تفصیل بتائی۔ وہ لوگ باہر پہنچ چکے تھے۔ خان کی فریگیٹ سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ دونوں سوار ہو گئے اور ڈرائیونگ سیٹ بالے نے ہی سنبھالی۔ چند لمحے بعد وہ واپس شہر کی طرف دوڑ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دستخط

دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔

خان نے ایک ہوٹل کے سامنے فریگیٹ رکوائی ۔بالے نے پوچھا۔

''خیریت؟''

''ہم کھانا کھائیں گے۔'' خان نے کہا۔

دونوں گاڑی سے اترے اور ہوٹل میں داخل ہو گئے ۔ایک کیبن میں وہ بیٹھ گئے ۔ فوراً ہی ویٹر آن موجود ہوا۔خان نے اسے کھانے کا آرڈر دیا۔اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔چند لمحوں تک خاموشی رہی ۔پھر بالے نے ہی سکوت توڑا۔

''آپ علاقہ نمبر ۱۴ کی کوتوالی کیوں گئے تھے؟''

''اوہ ہاں۔'' خان مسکرایا۔''یہ لطیفہ سنانا تو بھول ہی گیا تھا۔تمہاری مہارانی چنگم چوں غائب ہو گئیں۔''

''یعنی کہ پانی کا گلاس پی کر؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، وہ حوالات سے اڑ گئیں۔ میں نے انھیں حوالات پہنچوا دیا تھا۔غالباً آج صبح وہ پاگل خانے پہنچا دی جاتیں۔مگر حوالات کے کانسٹیبلوں ے کو بے ہوش کر کے فرار ہو گئیں۔''

''بے ہوش کر کے؟''

''ہاں، حوالات پر پہرہ دینے والے کانسٹیبل بے ہوش ہی ملے تھے۔''

''کمال ہے۔''

''کوئی کمال نہیں۔'' خان نے کہا۔''میں نے ان کے پاگل پن سے ہی اندازہ لگا لیا

تھا۔''

''کیا اندازہ لگا لیا تھا آپ نے؟''

''یہی کہ مہارانی چنگم چوں ایک زبردست فراڈ ہیں۔''

''یعنی سرفراز بھی فراڈ ہی تھا؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے اس کے بارے میں چھان بین کی تھی۔ پتا لگا تھا کہ وہ نہ کپڑے کی مل کا مالک تھا نہ کچھ اور، بس ایک معمولی دکاندار تھا۔ شاید اس کی پوری دکان میں دو ڈیڑھ ہزار کا مال ہوگا۔''

''آپ نے دکان بھی دیکھ لی؟''

''ہاں، بس بالکل اتفاقاً اس کے متعلق معلومات ملتی چلی گئیں۔ ہوا یہ کہ جب تم مہارانی چنگم چوں کو ٹیکسی کی طرف لے جا رہے تو وہاں ایک تمہارا شناسا موجود تھا۔ اس نے تمہیں وہاں دیکھ لیا۔ آج اتفاقاً اس کی لاقات واجد سے ہوگئی۔ واجد سے اس کی پرانی دوستی ہے۔

اس نے واجد کو ہنس کر تمہارے متعلق بتلایا کہ اب بالے صاحب بھی بہت زیادہ رنگین مزاج ہو گئے ہیں۔ واجد نے پوچھا وہ کیسے۔ اس نے جواب دیا کہ رات کو اس نے بالے ایک ایسی ہی عورت کی ناز برداری کرتے دیکھا جو بڑے لوگوں کے شکار کیا کرتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ ماہ کسی کے ساتھ رہتی ہے۔ اسے بے وقوف بنا کر رقمیں اینٹھتی ہے۔ اس کی راتیں رنگین بناتی ہے پھر کسی دوسرے سے جا ٹکراتی ہے۔ اور دارالحکومت میں وہ چند دن قبل ہی آئی ہے۔ وہ شخص اسے کسی دوسرے شہر سے جانتا تھا، جہاں وہ تجارت کیا کرتی تھی۔ اب اس نے یہاں تجارت مستقل کر لی ہے۔ واجد نے اس عورت کے بارے مں تفصیل سے پوچھا اور حلیہ وغیرہ دریافت کر کے اس نے مجھ سے تمہاری شکایت کی۔ میں نے جب حلیہ سنا تو چونک پڑا۔ پھر واجد سے اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کو کہا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ کس قسم کی عورت

ہے۔ وہ فلیش کی بھی بہترین کھلاڑی ہے اور آج کل ایک معمولی کپڑے کے تاجر سے عشق لڑا رہی ہے۔ پھر میں نے اس کپڑے کے تاجر کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور وہ سو فیصدی سرفراز ہی ثابت ہوا۔"

"اوہ۔" بالے نے ہونٹ سکیڑے۔ "مگر بات حلق سے نہیں اترتی۔"

"وہ کیا؟"

"یہی کہ وہ بڑے آدمیوں کو پھانس کر رقمیں وصول کرتی ہے اور آج کل ایک معمولی کپڑے کے تاجر کو پھانس رہی ہے؟"

"میں نے بھی واجد کے دوست سے یہی سوال کیا تھا۔ اس نے بتلایا تھا کہ اس عورت کا ٹریڈیشن ہی یہی ہے۔ وہ کسی ایک شہر میں ٹکتی نہیں ہے۔ مختلف شہروں میں گھومتی پھرتی ہے۔ لیکن جس شہر میں نئی جاتی ہے وہاں پر کسی معمولی آدمی پر ڈورے ڈال کر اس کے ساتھ سوسائٹی میں واقفیت بڑھاتی ہے اور اس آدمی کو بڑا بنا کر پیش کرتی اور خود کو اس کی مسز۔ جب رفتہ رفتہ سوسائٹی میں گھل مل جاتی ہے پھر اس آدمی کو لات مار دیتی ہے۔"

"مگر سوسائٹی میں گھلنے ملنے کے لیے کیا ضروری ہے کہ کسی چھوٹے ہی آدمی کے ہی ذریعے سوسائٹی جوائن کی جائے؟"

"برخوردار، ابتداء کسی نہ کسی کی جیب پر تو اخراجات کا بار ڈالنا ہی پڑتا ہے۔ کسی ایک بڑے آدمی کو منتخب کر کے جال نہیں پھینکا جا سکتا۔ لہٰذا ایک دم کسی چھوٹے آدمی کو بے قوف بنا ڈالتی ہے۔ کیوں کہ اس طرح اسے یہ خدشہ نہیں رہتا کہ اگر یہ آدمی بھڑک گیا تو موٹا شکار ہاتھ سے نکل جائے گا، بھڑک گیا تو اس کی بلا سے۔ البتہ موٹے شکاروں کے گرد رفتہ رفتہ جال بنتی ہے، اور وہ جال اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ پھر موٹا شکار ہاتھی ہی کیوں نہ ہو، اس جال سے نہیں نکل سکتا۔"

"ہوں۔ تو یہ کہیے کہ آپ کا نظریہ غلط ثابت ہوا۔"

''کیسا نظریہ؟'' خان نے حیرت سے پوچھا۔''اوہ اب تک کھانا نہیں آیا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''نظریہ یہ کہ آپ نے رات کو یہی اندازہ لگایا کہ لیڈی سرفراز فراڈ ہے اور گزشتہ شب کلب مین آپ اس کے بارے میں جس قسم کی گفتگو کر رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ اسے مشکوک سمجھتے ہیں۔مگر یہاں آ کر وہ بالکل صاف نکل گئی۔''

خان خاموشی سے مسکرایا۔پھر ویٹر کھانا لے کر آ گیا۔ان لوگوں نے کھانا شروع کر دیا۔درمیان میں بالے بولا۔

''آپ کے دو نظریات تو غلط ثابت ہوئے ہیں۔''

''دوسرا کون سا؟'' خان نے پوچھا۔

''جوزف کے بارے میں۔آپ اسے مشکوک سمجھتے تھے نا؟''

''ہا، پھر؟''

''پھر یہ کہ آپ کا نظریہ غلط ثابت ہو گیا۔''

''وہ کس طرح؟'' خان مسکرایا۔

''آپ کا یہی خیال تھا نا کہ سرفراز کی میز پر پہنچنے والے گلاس میں جو پانی تھا وہ جوزف کی حرکت سے خراب ہوا تھا۔''

''ہوں، پھر؟''

''اب یہ ساری جوزف کالونی میں بھی شاید جوزف ہی کی حرکت کا نتیجہ ظاہر ہو رہا ہے۔''

''برخوردار، اب تو جوزف کی طرف سے شبہ مضبوط ہو گیا۔''

''وہ کیسے؟''

''کلب میں صرف ایک ہی حادثہ ہوا تھا۔یعنی ایک ہی بوتل خراب کی گئی تھی۔ایک

بوتل خراب کرنے والے کے بارے میں چھان بین کی گئی تھی تو وہ جوزف ہی ثابت ہوا مگر جوزف کالونی کے حادثات کی ذمہ داری سراسر واٹر ورکس کے کسی کارکن پر ہی ہو سکتی ہے۔"

"مطلب یہ ہوا کہ اب واٹر ورکس والوں کی شامت آئی۔"

"سو فیصدی۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ کل سارے شہر کے آدمی پانی پینے سے ڈرنے لگیں۔"

بالے تھوڑی دیر تو نوالے توڑتا رہا پھر بولا۔

"ہاں، وہ آپ کے لال برج کا کیا بنا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ادھر کے معاملات میں ایسا الجھا ہوں کہ اس کے بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ملی۔"

"آپ سول ہسپتال تو گئے ہی تھے؟"

"ہاں، دن میں لاش اور زیادہ بھیانک ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ موت سے چند منٹ پہلے تک وہ شخص کسی قسم کی شدید ذہنی خلش میں مبتلا رہا ہے۔"

"اس کے پاس سے کوئی ایسی شے برآمد نہیں ہوئی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی؟"

"اس کے پاس سے کوئی ایسی شے برآمد نہیں ہوئی، بس ایک بہت ہی چھوٹی سی شیشی اس کی اندرونی جیب سے برآمد ہوئی ہے جس میں صرف ایک قطرہ کسی سیال کا ہے، مگر وہ پانی کی شکل سے مختلف نہیں ہے۔ پہلے ڈاکٹروں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی تھی، مگر جب میں نے اس کی چیزیں دیکھیں اور وہ شیشی پائی تو میں نے ڈاکٹر سے خاص طور سے ہدایت کی کہ اس سیال کی جانچ کی جائے۔ اس کے کیمیاوی تجزیے کا نتیجہ اب مجھے جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے یہ پہاڑ کھودنے کے بعد چوہا ہی برآمد ہو۔"

"اب جو کچھ ہو سراغ رسانی ہے، یہ جادوگری تو ہے نہیں۔ ہمیں ہر امکانی راستے پر

دوڑنا چاہیے پتا نہیں کس راہ پر کون سی کام کی شے ہاتھ لگ جائے۔"

"اور نہ لگے تو خواہ مخواہ انرجی برباد ہوتی رہے۔"

"انرجی کی بربادی کی فکر ہے، فرزند تو اس محکمے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"اب جلد ہی چلا جاؤں گا۔" بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

خان کوئی جواب دیے بغیر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ بالے نے گھنٹی بجا کر ویٹر کو بلایا اس سے برتن اٹھوانے کے بعد چائے لانے کو کہا اور جیب سے سگریٹ پیپر کا پیکٹ اور تمباکو کا ٹن نکالنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد خان چونک کر بولا۔

"ہاں، اب تمہیں مہارانی چنگم چوں نظر آئیں تو انھیں لفٹ دینا۔"

"جی، میں سمجھا نہیں؟" بالے نے حیرت سے کہا۔

"کیا میں نے کسی ناقابل فہم زبان میں بات کہی ہے؟"

"مطلب یہ کہ وہ حوالات توڑ کر بھاگی ہے، بھلا نظر ہی کیوں آنے لگی؟"

"نظر آ سکتی ہے۔ اس کے خلاف کوئی چارج نہیں ہے، بس پاگل پن کے سلسلے میں ہی تو اسے حوالات بند کیا گیا تھا۔ اب اگر وہ ایک بے ضرر شہری کی حیثیت سے سڑک پر نظر آجائے تو تم اسے گرفتار تو نہیں کر سکتے۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اتنی سوچ کر یہ بات کیوں کہی کہ اسے لفٹ دینا؟"

"تم تو بال کی کھال نکالتے ہو۔" خان جھنجلا گیا۔

"مجبوری ہے، جناب۔ محکمہ ہی ایسا نصیب ہوا ہے۔" بالے نے طویل سانس لی۔

ویٹر چائے لا کر رکھ گیا۔ بالے نے چائے بنائی اور دونوں ہلکے ہلکے گھونٹ لینے لگے۔

Akram Allahabadi

''آخر آپ سے وہ شخص فون پر کیا ایسی اہم بات کہنا چاہتا تھا؟''

''کون شخص؟'' خان کچھ سوچتے سوچتے چونک کر بولا۔

''وہی شخص جس کی موٹر سائیکل ٹکرا گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ کے اندازوں کے مطابق کسی سے بچ کر بھاگ رہا تھا۔ کوئی اس کے تعاقب میں بھی تھا، اس نے اس پر فائر بھی کیا تھا۔ پھر ایکسیڈنٹ ہونے پر وہ شدید ترین زخمی ہونے کے باوجود اتنی دور تک گھسٹتا ہوا گیا۔ اسے آپ کے فون نمبر معلوم نہیں تھے، پولیس اسٹیشن سے معلوم کیے، مگر آپ کو کچھ بتانے سے قبل ہی چل بسا۔''

''بھئی، میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں، میں غیب دان تو نہیں ہوں۔''

''لال برج سے بھی آپ کوئی اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہوئے؟''

''لگاؤ، تم ہی کوئی اندازہ لگاؤ۔''

کوشش کروں گا۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

چائے ختم کر کے وہ لوگ اٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان لوگوں کی گاڑی ایک طرف کو بھاگ رہی تھی۔ راستے میں کچھ دیر خاموش رہ کر بالے نے پوچھا۔

''اب کہاں کا پروگرام ہے؟''

''واٹر ورکس۔''

''ہوں۔ مگر سنیے، ہمیں واٹر ورکس ہی جانے کی کیا ضرورت ہے، کیا صرف اس ٹنکی سے معلومات نہیں حاصل ہو سکتیں ہیں جہاں سے جوزف کالونی کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔''

''فی الحال ہم اسی ٹنکی کی طرف جا رہے ہیں۔''

بالے پھر خاموش ہو گیا۔ پھر یہ خاموشی اس وقت تک طاری رہی جب تک کہ جوزف کالونی کو پانی سپلائی کرنے والی ٹنکی نہیں آ گئی۔ یہاں ابھی تک کسی قسم کی افراتفری نہیں تھی۔ غالباً جوزف کالونی کی پولیس چوکی سے پانی کے سلسلے میں خان سے ملی ہوئی معلومات کی

Akram Allahabadi

روشنی میں کوئی ایکشن نہیں لیا گیا تھا۔

خان نے فریگیٹ ٹنکی کے قریب روک دی۔ ٹنکی ایک بہت بڑے اونچے چبوترے کی شکل میں تھی، جس پر لوہے کے سیاہ ستون تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نصب تھے۔ خان اس کوٹھری کے نزدیک پہنچ کر رک گیا، جس میں ٹنکی کا چوکی دار رہا کرتا تھا۔ وہ ایک ضعیف العمر آدمی تھا۔ جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید دودھ کی مانند تھے۔ وہ دھوپ میں بیٹھا ہوا چھالیہ کے دانوں میں تمباکو ملا رہا تھا۔ ان لوگوں کو آتے دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''بس، ابھی ابھی گئے ہیں بڑے بابو۔''

''کون بڑے بابو؟'' خان نے پوچھا۔

''آپ واٹر ورکس سے تشریف لائے ہیں نا؟''

''نہیں، مگر تم کن بڑے بابو کا ذکر کر رہے ہو؟''

''اوہ، میں سمجھا تھا کہ انسپکٹر صاحب آ گئے۔ بڑے بابو وہ جو ٹنکی کا انجن چلاتے اور بند کرتے ہیں۔ مگر آپ لوگ کون ہیں؟''

''پہلے ہمارے چند سوالات کے جوابات دو پھر بتلائیں گے۔''

''کہیں آپ... سچ مچ واٹر ورکس سے تو نہیں آئے؟'' چوکی دار نے مشکوک لہجے میں کہا۔

''ہاں، ہم وہیں سے آئے ہیں۔'' بالے بول پڑا۔

''اوہ، جناب۔'' بوڑھا ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''بڑے بابو ابھی ابھی چلے گئے ہیں، بس آنے ہی والے ہیں۔''

''کیا بڑے بابو، بڑے بابو لگا رکھا ہے۔'' بالے سخت لہجے میں بولا۔ ''جو کچھ پوچھا جائے صرف اسی کا جواب دو، غیر ضروری بات نہ کرو۔''

''بب... بات اچھا، سرکار۔'' بوڑھا کپکپا کر بولا۔

Akram Allahabadi

''اس ٹنکی کا پانی کتنے بجے سے کتنے بجے تک سپلائی کیا جاتا ہے؟''

''جناب، صبح سات سے دس تک۔ شام کو تین سے نو تک۔''

''دونوں وقت بڑے بابو ہی انجن چلاتے ہیں؟''

''جی ہاں، جناب۔ کبھی کبھی ان کی جگہ پر واٹر ورکس سے دوسرا آجاتا ہے، جب کہ وہ چھٹی پر ہوں۔''

''پچھلی بار بڑے بابو نے چھٹی کب لی تھی؟''

''جناب، آج صبح تک چھٹی پر تھے، اور... جناب، کل رات تک چھٹی پر تھے۔ آج صبح ہی آئے ہیں۔''

''صبح ہی آئے ہیں یا...؟'' خان نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''حضور۔'' چوکی دار ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''میری ملازمت کا سوال ہے۔ بڑے بابو بہت سخت آدمی ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔'' خان نے کہا۔ ''وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، جو کچھ کہنا ہے، صاف صاف کہو۔''

''جناب، آج صبح بھی وہ نہیں آئے تھے۔''

''پھر انجن کس نے چلایا؟''

''جناب، انجن کے پرزوں سے بھی واقف ہو گیا ہوں، کئی برس سے ملازمت کر رہا ہوں، اس لیے جب کبھی وہ نہیں آتے اور ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے تو میں تین بجے کا سائرن سنتے ہی انجن چلا دیتا ہوں اور صبح بھی۔ آج صبح وہ نہیں آئے تھے، سوا سات بجے میں نے انجن چالو کر دیا تھا۔''

''ہوں۔ وہ جگہ جہاں سے پانی کی ٹنکی سے خارج ہو کر پائپوں میں داخل ہوتا ہے کھلی رہتی ہے یا مقفل رہتی ہے؟''

Akram Allahabadi

''جناب، وہ عموماً کھلی ہی رہا کرتی ہے، اوپر سے۔ وہاں کون آتا جاتا ہے، اس لیے بڑے بابو بھی اسے تالا نہیں لگاتے، حالاں کہ اوپر سے حکم یہی ہے کہ اسے صرف پانی جانچتے وقت ہی کھولا جائے۔''

''کیا پانی کی جانچ روزانہ کی جاتی ہے؟''

''جی ہاں، سرکار۔ وہاں چھوٹے چھوٹے دو حوض ہیں۔ ایک میں پانی ٹنکی سے باہر نکل کر ہر وقت بھرا رہتا ہے، دوسرا حوض وہ ہے جس میں اس حوض سے پانی اس وقت منتقل کیا جاتا ہے جب کہ سپلائی کرنا ہو۔ دوسرے حوض سے ہی پانی پائپوں میں جاتا ہے، لیکن پہلے حوض سے دوسرے حوض میں پانی منتقل کرنے سے پہلے اسے جانچا جاتا ہے۔ ایک آلہ ڈال کر جانچتے ہیں۔ پانی کی جو کیفیت ہو اسے رجسٹر پر چڑھا دیتے ہیں۔''

پھر ذرا توقف سے خان نے پوچھا۔

''تو بڑے بابو کی غیر موجودگی میں یہ کام کون انجام دیتا ہے۔ مثلاً آج صبح نہیں آئے تھے تو کیا پانی تم نے جانچا تھا؟''

''نہیں، سرکار۔ ان کی غیر موجودگی میں بس یوں ہی پانی چالو کر دیتا ہوں، رجسٹر کا خانہ وہ آ کر خود ہی لکھ کر بھر دیتے ہیں۔''

''ہوں۔ پانی پینے کے لائق سپلائی ہوا ہو نہ ہو؟''

''جی، سرکار۔''

''چلو، میں حوض والا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

چوکی دار انھیں ٹنکی کے اوپر لے گیا۔ انھیں لوہے کی بنی ہوئی دس بارہ سیڑھیاں طے کرنا پڑیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ مرے میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت پانی جاری نہیں تھا۔ چناں چہ پہلا حوض بھرا ہوا تھا، دوسرا خالی تھا۔ کمرے میں عجیب قسم کی تیز سی بو پھیلی ہوئی تھی، جس سے کم زور دل والا چکرا کر گر بھی سکتا تھا۔ بالے نے رومال کو ناک پر رکھ لیا۔ البتہ خان

یوں ہی رہا۔چوکی دار تو اس بو کا عادی ہی ہو چکا تھا۔

پھر خان چوکی دار سے بولا۔"مجھے وہ آلہ دکھاؤ جس سے پانی جانچا جاتا ہے؟"

"ضرور، سرکار۔"

چوکی دار نے شیشے کی ایک لمبی سی نلکی نکال کر خان کی طرف بڑھا دی۔خان نے اسے لے لیا۔اس پر مختلف درجۂ حرارت درج تھا۔اور نارمل وغیرہ کے خان بنے تھے۔خان نے وہ آلہ لے کر پانی کے حوض میں ڈبو دیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا ہوا؟" بالے نے انگلش میں پوچھا۔

"نارمل۔"

بالے نے ایک قہقہہ لگایا، پھر جلدی سے خاموش ہو گیا۔کیوں کہ قہقہہ لگانے کے لیے رومال منہ سے ہٹانا پڑا تھا اور رومال ہٹاتے ہی گیس کی تیز بو ناک میں گھس گئی تھی۔چوکی دار نے متحیر انداز میں بالے کو دیکھا۔پھر خان کی طرف دیکھنے لگا۔خان کی پیشانی پر تفکر کی شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔چند لمحے بعد خان نے چوکی دار سے پوچھا۔

"بڑے بابو کی چھٹی کب تلک تھی؟"

"کل شام تک، جناب۔"

"کل شام تک ان کی جگہ کسی دوسرے نے کام کیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"لہٰذا کل شام تک یہاں کے جانچ کرنے والے کے رجسٹر پر دستخط بھی ہوں گے؟"

"ظاہر ہے، سرکار۔"

"آج صبح کسی کے دستخط نہیں ہوں گے؟"

"جی، سرکار۔"

Akram Allahabadi

''ذرا مجھے وہ رجسٹر بھی دکھاؤ۔''

''بہتر ہے، جناب۔''

چوکیدار دوسرے حصے سے رجسٹر بھی اٹھا لایا۔خان نے رجسٹر دیکھا۔اس میں کل شام تک کے دستخط کسی پی رام کے تھے۔خان نے چوکی دار سے پوچھا۔

''کل تک جس نے کام کیا، وہ پی رام تھا؟''

''جی ہاں، حضور۔پرسورام۔''

''اور تمہارے بڑے بابو کا نام کیا ہے؟''

''شرما، حضور۔''

خان نے اگلا ورق پلٹا۔آج کا خانہ خالی نہیں تھا۔خان چونک پڑا۔

''کیا نام بتلایا تھا اپنے بڑے بابو کا؟''

''شرما جی۔''

''کرشن شرما؟''

''جی ہاں۔''

بالے اکتایا اکتایا سا نظر آ رہا تھا۔

''تم کہہ رہے تھے کہ وہ صبح سے نہیں آئے؟''

''جی، سرکار۔''

''مگر یہاں آج کی تاریخ میں کرشن شرما کے دستخط بھی موجود ہیں اور پانی کا درجۂ حرارت بھی لکھا ہے، نارمل۔''

''جی...؟'' چوکی دار کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تم نے کہا تھا کہ آج مشین تم نے چلائی ہے؟''

''جی ہاں، حضور۔خدا کی قسم میں نے ہی آج مشین چلائی ہے۔'' چوکی دار کا لہجہ تحیر

کی زیادتی سے کپکپا رہا تھا۔

خان چند لمحوں تک اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، جیسے یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ چوکی دار سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے۔ چند لمحے بعد خان نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

''تمہارے شرما جی کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں، حضور۔ شاید دو فرلانگ پر ہے۔''

''جاؤ، انھیں بلا کر لاؤ۔ ہاں، یہ نہ کہنا کہ واٹر ورکس سے کوئی آیا ہے۔ بس اتنا کہہ دینا کہ مشین میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے یا اس کا کوئی ٹیوب پھٹ گیا ہے۔''

''بہتر ہے، حضور۔'' چوکی دار کا تحیر کم نہیں ہوا تھا۔

وہ پلٹ کر کمرے سے نکلا اور دوڑتا چلا گیا۔ اسے تحیر میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ ان دو اجنبیوں کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ وہاں سوائے چوکی دار یا جانچ کرنے والے کے عملے کا کوئی دوسرا آدمی بھی نہیں جا سکتا، کیوں کی وہ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں سے پانی کو خراب کر کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کی زندگیوں سے بھی کھیلا جا سکتا ہے۔''

خان اور بالے باہر نکل آئے۔ بالے نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ اور سگریٹ پیپر کا پیکٹ نکالتے ہوئے ایک طویل جماہی لی۔ خان اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''نیند آ رہی ہے؟''

''بے گاری میں نیند ہی زیادہ ستاتی ہے۔''

''برخوردار، یہ بے گاری ابھی تمہاری آنکھیں پھاڑ دے گی۔''

بالے ہنس پڑا۔

خان نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا۔ ''تم وہاں بھی ہنسے تھے۔ اس ہنسی کا کیا مطلب ہے؟''

Akram Allahabadi

''نارمل۔'' بالے نے خان کے چہرے کے سامنے انگلی نچائی اور پھر ہنس پڑا۔

اوہ۔'' خان مسکرا دیا۔ ''غالباً یہ کہنا چاہتے ہو کہ پانی کے بارے میں میرا نظریہ غلط ثابت ہوا ہے۔''

''اور یہ بھی کہ آپ خواہ مخواہ ان دستخطوں کے چکر میں پڑ کر انرجی ضائع کر رہے ہیں۔ سب جگہ ہی چلتا ہے یہ تو۔ بڑے لوگ چھوٹوں پر ذمہ داری ڈال کر خود چین کی بنسری بجانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔''

''برخوردار، یہاں چین کی بنسری بجانے کا سوال نہیں، یہاں دستخطوں کا سوال ہے۔ جو شخص کاہلی کی وجہ سے اکثر کام پر نہیں آتا، اس کا کام چوکی دار نپٹا دیتا ہے اور بعد کو وہ یوں ہی خانہ پری کے طور پر رجسٹر میں اندراج کر دیتا ہے۔ وہ پانی پینے والوں کے لیے ایسا ہی خطرہ بن سکتا ہے، جیسا کہ آج صبح ہو چکا ہے۔''

''ذرا بات کی وضاحت کیجیے۔''

''تو سنیے۔'' خان نے کہا۔ ''اگر آج صبح وہ آیا ہوتا تو اتنے لوگ حادثات کا شکار نہ ہوتے۔ وہ آکہ ڈال کر دیکھتا، پانی ایب نارمل ہوتا اور وہ مشین چلانے کی بجائے واٹر ورکس کو مطلع کر دیتا۔''

''لیکن اس کے دستخط بھی موجود ہیں اور چوکی دار کا بیان کچھ اور ہے؟''

''یہ بات ابھی صاف ہو جائے گی۔'' خان مسکرایا۔

''ایک بات اور صاف کر دیجیے۔''

''پوچھو۔''

''یہ پانی تو نارمل ہے؟''

''ضرور ہے۔ اگر یہ بھی ایب نارمل ہوتا تو جس وقت حادثات ہو رہے تھے، اس وقت یہ ٹنکی بھی کسی آدمی کی لاش کی طرح پھٹ گئی ہوتی۔''

Akram Allahabadi

''کیا بات ہوئی ؟''بالے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''جو بات میں نے کہی۔''خان مسکرایا۔

''آپ پر سے تو ایمان ہی اٹھتا جا رہا ہے۔''بالے سگریٹ کس کش لے کر بلا۔

''آپ ہمیشہ اسی قسم کی حیرت انگیز خبریں سناتے رہتے ہیں۔''

''مگر بے تکی نہیں ہوتیں۔''

''اس خبر کی تک بتلایے گا؟''

''پوچھو۔''

''یہ پانی نارمل کیوں ہے؟ جب کہ آپ کے خیال کے مطابق اس ٹنکی سے پانی سپلائی ہوا جو زف کالونی کے لیے قہرِ خداوندی ثابت ہوا تھا۔''

''سنو،اس طرح سمجھو۔تم نل کی ٹونٹی میں ایک پائپ لگا کر کی برتن میں ڈال دو۔ برتن میں پانی بھرتا رہے گا۔برتن سے ایک پائپ منسلک کر کے اسے چھوٹے چھوٹے برتنوں بھرنے کے کام میں لاؤ۔اب جس برتن میں پانی چل کر پہلے برتن کو بھرتا ہے،اس میں ایک رنگ کی پڑیا چھوڑ دو،نتیجہ کیا نکلے گا؟''

''پانی رنگین رنگین ہو جائے گا اور ہم لوگ دو پٹے رنگ کر تجارت کر سکتے ہیں۔''

''تم گدھے ہو۔ظاہر ہے کہ وہ پانی چھوٹے چھوٹے برتنوں کو سپلائی ہو گا اور وہاں تک رنگین ہی ثابت ہو گا جب تک کہ درمیانی برتن سے رنگ کا خاتمہ نہ ہو جائے۔اگر اسی دوران میں نل بند کر دیا جائے تو درمیانی برتن میں وہ رنگین پانی بھرا رہ جائے گا۔ورنہ آہستہ آہستہ درمیانی برتن کا سارا رنگین پانی چھوٹے برتنوں میں چلا جائے گا اور نل کا صاف پانی برتن کو صاف کر دے گا۔''

''سمجھ گیا،سمجھ گیا۔''بالے نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔''آپ کا مطلب یہ ہے نا کہ حوضوں میں سے اس کو ایب نارمل کر دیا گیا ہو۔''

Akram Allahabadi

''اب کھوپڑی کی خاک جھاڑی ہے۔'' خان مسکرایا۔

اتنے میں انھیں چوکی دار نظر آیا جو ہانپتا ہوا چڑھ رہا تھا اور اس کے عقب میں ہی ایک اور شخص تھا، جس کا رنگ سیاہ تھا اور وہ خاکی پتلون اور سفید قمیض میں تھا، مگر اس کی سیاہ رنگت سفید قمیض پر عجیب سی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ خان نے اس کی صورت دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ چوکی دار نے اپنی ہمدردیاں جتانے کے لیے اس شخص کو جو شرما کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے، صحیح معاملات بتلا دیے ہیں۔

اور شرما ہونق کی طرح ان کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ چوکی دار بولا۔

''حضور، شرما جی یہ ہیں۔''

''ہوں۔'' خان نے اس سے کہا۔ ''تم نیچے جاؤ۔''

چوکی دار نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں پھر چپ چاپ واپس چلا گیا۔

شرما کی حالت قابلِ دید تھی۔ خان نے اسے سر سے پیر تک گھورا اور کہا۔

''مسٹر شرما، آپ اپنے فرض سے اس طرح غافل رہتے ہیں؟''

''حضور۔'' شرما نے ایک دم ہاتھ جوڑ لیے۔ ''بس یہ میری آخری غلطی سمجھیے۔ اس کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوگا۔''

خان نے معنی خیز نگاہیں مسٹر شرما کے چہرے پر ڈالیں۔

پھر خان نے شرما سے کہا۔ ''آپ کی ڈیوٹی کل شام ہی کو ختم ہوئی تھی؟''

''جی ہاں، مگر آج صبح.... جناب، میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''آپ آج صبح ڈیوٹی پر نہیں آئے؟''

''جناب، میں بال بچوں والا ہوں، مجھے معاف کر دیجیے، آئندہ کبھی ڈیوٹی سے غفلت نہیں کروں گا۔''

خان چند لمحے تک شرما کی طرف بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''آؤ، اندر آؤ۔''

Akram Allahabadi

دونوں اندر گئے۔بابے وہیں رکا رہا۔خان نے رجسٹر اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

”یہ دستخط آپ ہی کے ہیں؟“

”جی ہاں، جناب۔“شرما بولا۔

”مگر آپ تو کہہ رہے ہیں کہ آپ آج آئے نہیں ہیں۔“

”جی ہاں، جناب۔“شرما متحیر لہجے میں بولا۔”میں تو آج غیر حاضر رہا تھا۔“

پھر یہ دستخط آپ کے نہیں ہیں؟“

”جناب، یہ دستخط تو میرے ہی ہیں۔“شرما نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

”مگر یہ آج کی تاریخ میں ہیں اور آپ آج آئے نہیں تھے؟“

”یہ بھی حقیقت ہے کہ میں آج آیا نہیں تھا، مگر دوسری بات بھی حقیقت ہے کہ یہ دستخط میرے ہیں ہیں۔“

”ٹھہریے۔“ خان نے پچھلے اوراق الٹے۔”یہ تمام دستخط آپ ہی کے ہیں نا؟“ اس نے پچھلے چند دنوں کے دستخط دکھائے۔

”جی ہاں، جناب۔سو فی صدی میرے ہیں ہیں۔“

”مگر ان میں اور آج کے دستخطوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔“

”میں نے نہیں دیکھا، جناب۔“

”دیکھیے، آپ کئی ماہ کے دستخطوں میں ایک ہی قسم کی روشنائی استعمال کرتے رہے ہیں، مگر آج کے دستخطوں میں سیاہی مختلف ہے۔“

”اوہ۔“شرما نے آج کے دستخطوں کو غور سے دیکھا اور بولا۔”جی ہاں، کافی فرق ہے۔حالاں کہ میرے پین میں آج بھی وہی روشنائی ہے جو پچھلے چند ماہ سے چل رہی ہے۔“

”اور آپ کے علاوہ یہاں کوئی داخل نہیں ہو سکتا؟“

Akram Allahabadi

''سوائے پی رام کے۔''

''اوہ۔'' خان نے ورق الٹا۔

پھر اس بے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ گئے کیوں کہ جو روشنائی آج کے شرما کے دستخطوں میں استعمال کی گئی تھی بالکل وہی روشنائی گزشتہ تین روز کے پی رام کے دستخطوں میں تھی۔ بالے بھی اندر آیا تھا۔ خان شرما کی طرف مڑ کر بولا۔ ''پی رام کہاں ملیں گے؟''

''یہ میں کیا کہوں وہ کہاں ملیں گے۔''

دائرہ کے شکل میں شرما نے حیرانی سے جواب دیا۔

''آپ انھیں فون پر بلوا سکتے ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''تو بلوایے۔''

شرما فون کرنے دوڑا چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حیرت انگیز اطلاعات

شرما نے واپسی میں دیر نہیں لگائی۔خان نے اس سے پوچھا۔

''کیا فون کہیں قریب ہی موجود ہے؟''

''جی ہاں، جناب۔ٹنکی کا اپنا فون موجود ہے۔''

''میں ذرا فون کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ ضرور، تشریف لایئے۔''

وہ تینوں نیچے آئے۔شرما انھیں ایک کمرے میں لے گیا۔فون ٹیبل پر موجود تھا۔ خان نے رسیور اٹھاتے ہوئے بالے کو کچھ اشارہ کیا۔بالے شرما سے بولا۔

''مسٹر شرما، میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے چوکی دار کی موجودگی میں۔''

''اوہ ضرور، جناب۔تشریف لایئے۔''

بالے شرما کے ساتھ باہر آیا اور چوکی دار سے کچھ عجیب سے سوالات کرنے لگا۔ چوکی دار جوابات کے سلسلے میں کچھ اتنا نروس ہوگیا تھا کہ سوال کچھ کیا جاتا اور جواب کچھ دیتا۔ بالے نے اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پائے۔حالاں کہ بالے نے سوالات کی بات صرف اس لیے کہی تھی کہ وہ شرما کو باہر لانا چاہتا تھا۔دراصل خان شرما کی موجودگی میں فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم نے شرما جی سے جا کر یہ نہیں بتلایا کہ واٹر ورکس سے آدمی آئے ہیں۔''بالے نے سخت لہجے میں کہا۔

''جج...جی نہیں۔جج...جی ہاں۔''چوکی دار بوکھلایا گیا۔

Akram Allahabadi

''حالاں کہ تم سے ایسا کرنے کو منع کیا گیا تھا۔''

''جج..جناب...مم...میں۔''چوکی دار بوکھلا گیا۔

بالے نے شرما کی طرف دیکھا۔وہ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔بالے ان لوگوں کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔پھر بولا۔

''اچھا،آپ لوگ یہیں ٹھہریے۔''

پھر فون والے کمرے میں واپس آیا۔خان رسیور رکھ کر مڑا ہی رہا تھا۔بالے چونک پڑا۔اس نے خان کے چہرے پر دبے ہوئے جوش کے آثار دیکھے تھے۔لیکن فوراً ہی اس کا چہرہ پرسکون ہو گیا۔اس نے مسکرا کر کہا۔

''تم کچھ کہنا چاہتے تھے؟''

''جی ہاں،مگر اب کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''پوچھو۔''

''آپ نے فون کہاں کیا تھا اور کیا معلوم کیا؟''

''چلو بتلا دوں گا،پہلے تم کہو تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو رہا ہے؟''

''مجھے چوکی دار اور شرما کچھ گڑبڑ نظر آتے ہیں۔''

خان مسکرا کر رہ گیا اور باہر نکل آیا۔بالے جھنجلا گیا۔اس نے تہیہ کر لیا کہ اب کسی بھی سلسلے میں کوئی رائے پیش نہیں کرے گا۔

باہر آ کر خان نے کہا۔''تم نے ایک خاص بات نوٹ کی ہے؟''

''اب میں کوئی بات نوٹ کرنا نہیں چاہتا۔''

''تمہاری مرضی۔''خان لاپروائی سے بولا۔''میں تو تمہارے ہی نظریے کی تائید میں کچھ کہہ رہا تھا۔''

''اوہ،تب تو میں ضرور سنوں گا۔''

Akram Allahabadi

''تم نے یہ نہیں نوٹ کی اکہ شرما نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں اور کیوں یہ سب کچھ پوچھ رہے ہیں؟''

''ظاہر ہے کہ وہ ہمیں واٹر ورکس کا آدمی سمجھتا ہے۔''

''ہمیں واٹر ورکس کا آدمی سمجھتا ہے اور ہمیں اتنا تک علم نہیں کہ ٹنکی پر اپنا فون بھی ہوتا ہے۔''

''اوہ، ہاں۔''

''اس امر سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟''

''یہی کہ شرما کسی وجہ سے شرمایا ہوا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ مگر سوال ان دستخطوں کا رہ جاتا ہے۔''

''آپ کبھی کچھ کہتے پھر خود ہی اپنی ذات کی تردید بھی کر دیتے ہیں۔'' بالے جھنجلا گیا۔

خان ہنسنے لگا۔ ''اس لیے کہ تم ہر پہلو پر سوچو۔''

''میں آج کل صرف ایک پہلو پر سوچ رہا ہوں اور وہ یہ کہ اب شامت قریب نظر آتی ہے۔''

''تمہارے گرد تو شامت ہر وقت منڈلاتی رہتی ہے۔''

بالے کچھ نہ بولا۔ اس کا منہ پھول گیا تھا۔

وہ لوگ ٹہلنے کے انداز میں چلتے ہوئے شرما کے قریب پہنچے۔ وہاں چوکی دار اور شرما آپس میں چپکے چپکے کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئے۔ اب شرما کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ اس نے پوچھا۔

''جناب، کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟''

Akram Allahabadi

''خوب۔'' خان مسکرایا۔ ''بڑی جلدی خیال آ گیا آپ کو اس سوال کا۔''

''میرے چوکی دار کی حماقت نے سوچنے ہی نہیں دیا تھا۔ اب آپ صاف صاف بتلایئے، نہیں تو میں پولیس کو مطلع کرتا ہوں۔''

ابھی خان کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک شخص سائیکل لے کر وہاں پہنچا اور جلدی سے سائیکل سے اتر گیا۔ وہ ان لوگوں کے چہروں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خان اس کی طرف مڑا۔

''آپ مسٹر پرسورام ہیں؟''

''جی ہاں، فرمایئے۔'' پرسورام کا لہجہ بڑا شریفانہ تھا۔

''نہیں، پرسورام۔'' شرما جلدی سے بولا۔ ''آپ ایک سوال کا جواب دیجیے، جب تک یہ نہ بتلا دیں کہ کس مقصد سے آئے ہیں؟''

''شٹ اپ۔'' بالے نے اس کی طرف مڑ کر غصیلے لہجے میں کہا۔

جانے کیوں شرما مرعوب سا ہو گیا اور بس ہکلاتا رہ گیا۔ خان پی رام کی طرف مخاطب ہوا۔

''کل شام تک آپ کی ڈیوٹی تھی یہاں؟''

''جی ہاں، میں شام کو شرما صاحب کو چارج دے کر گیا ہوں۔''

''شام کو شرما یہاں آئے تھے؟''

''جی ہاں، آئے تھے۔''

''ٹھہریے۔'' خان بولا۔ ''آپ لوگ اوپر تشریف لے چلیے۔''

''اوپر کوئی نہیں جا سکتا، اس وقت میں ٹنکی کا انچارج ہوں۔''

''شرما صاحب، آپ ہمیں اوپر لے جانے پر مجبور ہیں۔'' خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں کیوں مجبور ہوں؟''

Akram Allahabadi

''بابے، انھیں بتلاؤ کہ یہ کیوں مجبور ہیں۔''

''بالے نے شرما کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا اور جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دکھا دیا۔

شرما کارڈ پر نظر پڑتے ہی بری طرح بوکھلا گیا۔''

''جج...جناب...مم میں...معافی...چچ...چاہتا ہوں۔''

پھر اس نے انھیں دیر تک آنے کے سلسلے میں کوئی روک تھام نہیں کی۔ وہ سب اوپر آئے۔ پرسورام ابھی تک متحیرانہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حوضوں والے کمرے میں داخل ہو کر خان نے رجسٹر پرسورام کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ دستخط آپ ہی کے ہیں نا؟''

''جی ہاں، سو فی صدی میرے ہی ہیں۔'' پرسورام متحیر لہجے میں بولا۔

''اور یہ دستخط؟'' خان نے صفحہ الٹ کر پوچھا جو آج کی ہی تاریخ کا تھا۔

''یہ شرما جی کے ہیں۔''

''مگر شرما جی آج ڈیوٹی پر نہیں آئے تھے۔''

''جی؟ میں سمجھا نہیں۔ آج تو شرما جی کی ڈیوٹی تھی؟''

''ڈیوٹی تھی، مگر شرما جی اور چوکی دار کے بیان کے مطابق یہ آج ڈیوٹی پر نہیں آئے تھے۔ پانی سپلائی کرنے کا انجن چوکی دار نے چلایا تھا۔ اس کمرے میں اوپر کوئی نہیں آیا نہ پانی پانی کی جانچ کی گئی۔''

''مگر، جناب۔'' پرسورام متحیر لہجے میں بولا۔ ''اس رجسٹر پر تو شرما جی کے دستخط بھی موجود ہیں اور پانی کا درجہ حرارت بھی لکھا ہے، نارمل۔''

''ضرور، مگر شرما جی کے ان دستخطوں کو دیکھیے۔'' خان نے اوراق پلٹ کر پچھلے چند دستخط دکھاتے ہوئے کہا۔ ''ان میں اور آج کے دستخطو میں آپ کو فرق نظر نہیں آتا؟''

Akram Allahabadi

''جناب، مجھے تو کوئی فرق واضح نظر نہیں آتا۔''

''فرق ہے۔'' خان پرسورام کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور واضح فرق ہے۔''

''شرما جی کے سابقہ دستخطو میں جو روشنائی استعمال کی گئی ہے وہ روشنائی آج کے دستخطوں کی روشنائی سے قطعی مختلف ہے۔''

''اوہ، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ممکن ہے شرما جی نے روشنائی بدل لی ہو۔ کیوں شرما جی؟''

''جی نہیں۔'' شرما جی جلدی سے بولا۔ ''میرے قلم میں وہی روشنائی ہے جسے چھ ماہ سے استعمال کرتا رہا ہوں۔'' پھر اس نے جلدی سے قلم نکال کر بڑھا دیا۔

''تعجب ہے۔'' پرسورام متحیرانہ انداز میں بولا۔

''ابھی آپ اس سے بڑی حیرت سے دوچار ہوں گے۔'' خان بولا۔ ''آج کے دستخطوں میں جو روشنائی استعمال کی گئی ہے وہ سو فی صدی وہی ہے جو آپ کے کل کے دستخطوں میں مستعمل ہے۔''

''جی؟'' پرسورام اچھل پڑا۔

''جی ہاں، پرسورام صاحب۔''

''وہ درست ہے، جناب۔'' پرسورام بولا۔ ''مگر آپ یہ سب چھان بین کس سلسلے میں کر رہے ہیں؟''

''جوزف کالونی کو پانی اس ٹنکی سے سپلائی ہوتا ہے نا؟''

''جی ہاں۔''

''اور جوزف کالونی کی قیامت کے بارے میں آپ یقیناً سن چکے ہوں گے۔ اب تو اطلاع دوسرے ممالک تک جا پہنچی ہوگی۔''

''اوہ۔'' پرسورام متحیر ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ ''تو کیا وہ تمام حادثات پانی کا فساد

تھے؟"

"جی ہاں، خان خشک لہجے میں بولا۔"اور آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ نے اس رجسٹر پر شرما جی کی غیر موجودگی مُس دستخط کیوں بنائے؟ اس کے علاوہ پانی کے سلسلے مُس غلط رپورٹ کیوں دی؟"

"جج... جناب۔" پرسورام گھبرائے ہوئے لہجے مس بولا۔"یقین کیجیے مجھے کچھ بھی علم نہیں۔ میرا قلم تو کل شام سے غائب ہی ہوگیا تھا۔ یہ دیکھیے، میں تو آج ہی صبح کام کے لیے یہ قلم خرید کر لایا ہوں۔" پرسورام نے جلدی سے اپنی جیب سے نیا پین نکال کر دکھایا۔

بالے پرسورام کو اتنی تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اب وہ اٹھا کر اسے پانی میں پھینک دے گا۔ البتہ شرما اور چوکی دار بالکل خاموش اور مطمئن کھڑے تھے۔ ویسے ان دونوں کے بارے میں بالے نے ایک خاص بات نوٹ کی تھی وہ یہ کہ جس وقت خان نے جوزف کالونی کے حادثات کو اسی ٹنکی کے پانی کا نتیجہ بتلایا تھا تو وہ دونوں اس طرح نہیں چونکے تھے جس طرح پرسورام چونکا تھا۔

"یہ کوئی بے گناہی کی دلیل نہ ہوئی۔" خان خشک لہجے میں بولا۔"تم نے جان بوجھ کر شرما جی کو پھنسانے کے لیے یہ اسکیم بنائی اور آج یہ نیا قلم خرید لائے۔"

"جج... جناب، میں بھگوان کی سوگند کھاتا ہوں کہ میں نے یہ دستخط نہیں بنائے۔" پرسورام بری طرح گڑگڑایا۔

"بکومت۔" خان خشک لہجے میں بولا۔ پھر بالے سے مخاطب ہوا۔"بالے، میری گاڑی میں ہتھکڑیاں ہیں اٹھا لاؤ۔"

بالے فوراً ہی باہر نکل گیا۔ مگر پرسورام گڑگڑا کر دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"مجھ پر رحم کیجیے، حضور۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ بھگوان کی سوگند میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

Akram Allahabadi

خان کچھ نہ بولا۔ چند لمحے بعد بالے ہتھکڑیاں لے کر لوٹ آیا۔ خان نے اسے دیکھا اور اسی وقت پرسورام گڑگڑا کر زمین پر بیٹھ گیا وہ باقاعدہ رونے لگا تھا۔ بالے نے اسے گھور کر دیکھا اور ہتھکڑیاں لے کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

''چلو، بیٹا۔ یہ عورتوں کے نخرے عدالت میں دکھانا۔''

''ٹھہرو۔'' خان، بالے سے مخاطب ہوا۔

بالے چونک کر رک گیا۔ خان نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''یہ ہتھکڑیاں شرما جی کے ہاتھوں میں ڈال دو۔''

''کیا؟'' بالے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

شرما اور چوکی دار بھی اچھل پڑے تھے۔ پرسورام روتے روتے رک کر بھونچکا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

خان نے خشک لہجے میں کہا۔ ''چلو جلدی کرو۔''

بالے نے بڑھ کر شرما کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنا چاہیں، مگر دوسرے ہی لمحے اسے درحقیقت چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ شرما کا گھونسا اس کی ٹھوڑی پر پڑا تھا۔ وہ بوکھلا گیا تھا۔ ایسے گھونسے اس نے کم ہی کھائے تھے۔ پھر قبل اس کے کہ بالے جوابی حملہ کرتا، شرما کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''مسٹر خان، میری انگلی ٹریگر پر ہے، آپ لوگوں کی ذرا سی جنبش میری انگلی کو بھی جنبش کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔''

چوکی دار تو چیخ مار کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ خان اور بالے اپنی اپنی جگہ کھڑے رہ گئے تھے۔ البتہ پرسورام اس طرح ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے یک بیک وہ پاگل خانے میں آ گیا ہو۔

شرما ان لوگوں کو ریوالور کی زد میں لیے ہوئے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ دفعتاً

بالے زمین پر بیٹھ۔شرما نے اندھا دھند فائر کیے۔مگر دونوں فائر بالے کے نیچے سے نکل گئے تھے، کیوں کہ بالے فرش سے تین فٹ اونچا اچھل گیا تھا۔بس چھت سے چند انچ دور رہ گیا تھا۔

پھر شرما تیسرا فائر نہیں کر سکا تھا کہ بالے اس پر جا پڑا۔پہلے ہی جھٹکے میں شرما کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر حوض میں جا گرا تھا۔پھر وہ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ پڑے۔پرسورام انھیں اسی طرح ساکت وصامت بیٹھا ہوا دیکھتا رہا۔خان جس جگہ کھڑا تھا، وہاں اسی انداز میں کھڑا رہا۔جیسے وہ دو پہلوانوں کی کشتی دیکھ رہا ہو۔

شرما گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔وہ کسی لیس دار مچھلی کی طرح بالے کی گرفت سے پھسل پھسل جاتا تھا۔مگر بالے کو وہ گھونسا یاد تھا جس کی دکھن اب بھی اس کی ٹھوڑی میں موجود تھی۔اس بار شرما پھسلا تو بالے نے ایک گھٹنا اور رسید کر دیا۔وہ اوندھا گرا۔پھر اٹھا تو ٹھوڑی پر لات پڑی، وہ کراہ کر پیچھے گرا۔پھر اٹھنے کی کوشش کی تو پیشانی پر گھونسا پڑا۔شرما ذرا ہی سی دیر میں دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر جھولنے لگا۔بالے نے پھر گھونسا سنبھالا، مگر خان بڑے سکون سے بولا۔

''بس کرو۔''

بالے تن کر کھڑا ہو گیا۔شرما کا سر زمین سے جا لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی فریگیٹ وہاں سے چل پڑی تھی۔پچھلی سیٹ پر شرما ہاتھ پاؤں بندھا ہوا پڑا تھا۔چوکی دار ان کو وہاں نظر نہیں آیا تھا۔وہ جس وقت نیچے بھاگا تھا، اسی وقت سے غائب تھا۔خان نے پرسورام کو سمجھا دیا تھا کہ شرما کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرے۔اور پرسورام نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔لیکن بالے یہی محسوس کرتا رہا تھا کہ خان چوکی دار کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا رہا ہے، کیوں کہ جس وقت چوکی دار بھاگ رہا تھا، خان اس وقت بھی اسے روک سکتا تھا، مگر اس نے چوکی دار کی طرف نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

خان کے ایماء پر ہی فرنگیٹ کی پچھلی کھڑکیاں چڑھا دی گئی تھیں۔

راستے میں بالے نے کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ فلموں کی طرح سین کیوں بدلتے ہیں؟''

''کیسے سین؟'' خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''ایسے ہی جیسے اس وقت بدیل کیے تھے۔''

''مثلاً؟''

''یہی کہ پہلے آپ نے شرما کو مشکوک سمجھا پھر نزلہ پرسورام کی طرف ڈھل گیا، مگر تان ٹوٹی تو شرما پر ہی جا کر۔''

''ابتدا تو میں نے شرما کو مشکوک نہیں سمجھا تھا۔'' خان بولا۔ ''مجھے چوکی دار کے بیان پر یقین آ گیا تھا کہ شرما واقعی ٹنکی پر نہیں آیا اور اس کے دستخط اسے پھنسانے کے لے کیے گئے ہیں۔ اگر شرما سے ذرا سی چوک نہ ہو جاتی تو میں یہی سمجھتا رہتا۔''

''اور شبہ پرسورام پر ہی رہتا؟''

''ظاہر ہے، کیوں کہ پرسورام کے پین ہی کی روشنائی سے اس پر دستخط تھے۔''

''مگر آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ پرسورام بے قصور ہے، مشکوک شرما ہے؟''

''بعد کے حالات سے۔'' خان بولا۔ ''مثلاً شرما اتنا گھبرا گیا تھا کہ اس نے ہم سے یہ تک نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں۔ اس وقت بھی نہیں پوچھا جب کہ میں نے ٹنکی پر فون کی موجودگی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد جب جوزف کالونی کے حادثے کو ٹنکی کے پانی کا نتیجہ ظاہر کیا گیا تو پرسورام جس انداز میں چونکا تھا وہ بالکل قدرتی اور شرما اور چوکی دار قطعی پرسکون کھڑے رہے تھے۔ بس فوراً ہی سب کچھ میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ پر پرسو رام نے قلم کھونے کا تذکرہ کر کے میرے شکوک کو مضبوط کر لیا تھا۔ پرسورام قلم کھونے کے سلسلے میں جھوٹ بول سکتا تھا، مگر کم از کم مجھے جھوٹ اور سچ کے امتیاز کا سلیقہ تو ہے اور مجھے یقین آ گیا

کہ پرسورام جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔پھر اسکیم سمجھ میں آ گئی تھی۔یہ پلان شرما نے بڑی خوب صورتی سے ترتیب دیا تھا۔اس نے رات ہی کو پرسورام سے چارج لیتے وقت کسی طرح اس کا قلم پار کر دیا۔صبح چوکی دار کو بھی اسکیم سمجھا دی گئی۔صبح کا پانی سپلائی کرنے کے وقت انجن چوکی دار نے ہی کھولا،مگر شرما آیا ضرور تھا۔اس نے پانی ٹیسٹ کیا،رجسٹر میں پرسورام کے قلم سے نارمل لکھا اور اپنے دستخط بنا دیے۔اسکیم تو واقعی شان دار تھی کہ شرما پر کسی طرح کا شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔کوئی معمولی دماغ کا آدمی تو کم سے کم ایسی اسکیم نہیں بنا سکتا تھا۔''

''معمولی دماغ ریوالور رکھنا بھی نہیں جانتے،جناب۔''بالے نے کہا۔

''ہاں،یہ بھی ٹھیک ہے۔''خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''مگر،جناب،یہ پانی میں کیا ایب نارملٹی پیدا کرتے تھے جو اتنا خطرناک ہو گیا کہ سینکڑوں جانیں لے ڈالیں۔''

''سب پتا چل جائے گا۔''خان بولا۔''ایک سرا ہاتھ میں آ گیا،اب گتھی ہی سلجھ جائے گی۔''

بالے خاموش ہو گیا۔چند لمحے بعد وہ چونک کر بولا۔''ارے ہاں،یہ آپ نے فون کہاں کیا تھا؟''

''سول ہسپتال۔''خان مسکرایا۔

''اوہ،غالباً اس شیشی کے سیال کے تجزیے کی رپورٹ معلوم کرنا ہو گی؟''

''ہاں۔''

''کیا رپورٹ ملی؟''

''حیرت انگیز۔سنو گے تو اچھل پڑو گے۔''

''نہیں اچھلوں گا،جناب۔صبر کے ساتھ سنوں گا۔''بالے نے ایک طویل سانس لی۔''اپنی تو قسمت ہی حیرت انگیز اطلاعات سننے کے لیے بنائی گئی ہے۔''

Akram Allahabadi

''تو سنو، اس شیشی میں جو سیال تھا، اس نے وہی کیا جو جوزف کالونی میں آج ہوا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' بالے واقعی اچھل پڑا۔

''ڈاکٹر نے اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا تھا۔ وہ سیال بظاہر قطعی بے ضرر ہے اور اس وقت تک بے ضرر ہی رہتا ہے جب تک کہ اسے پانی میں نہ ملایا جائے۔ ڈاکٹروں نے اسے کئی دواؤں میں ملا کر دیکھا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ کر سکے۔ لیکن پانی میں ملنے کے شاید دس منٹ بعد ہی وہ ٹیوب کرچیں کرچیں بن کر بکھر گیا، جس میں پانی اور سیال تھا۔ پھر اسے پانی میں ملا کر تجربے کے لیے ایک کتے کو پلایا گیا۔ ادھر کتے نے پانی کے برتن سے منہ ہٹایا اور ادھر اس کا وجود قیمے اور ہڈیوں کے سرمے میں تبدیل ہو گیا۔'' خان نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔ ''اور کچھ؟''

''جی ہاں... بس۔ اب مزید متحیر ہونے کی تاب نہیں رہی۔'' بالے کراہ کر بولا۔

خان ہنسنے لگا۔

''چند لمحے بعد بالے نے کہا۔ ''ایک بات اور بتایئے گا؟''

''پوچھو۔''

''میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ چوکی دار کو ابتداء ہی سے نظر انداز کرتے تھے۔''

''تم نے ٹھیک محسوس کیا تھا۔''

''مگر کیوں؟''

''یہ بھی ایک حیرت انگیز اطلاع ہی ہے۔ سنو گے تو ممکن ہے گاڑی سے نیچے چھلانگ لگا دو۔''

''میں نے ایک کان بند کر کے سنتا ہوں۔ حیرت کم ہو جائے گی۔'' بالے نے ایک کان میں انگلی دیتے ہوئے کہا۔ خان ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

''تم نے ایک خاص بات نہیں نوٹ کی تھی؟''

Akram Allahabadi

''کون سی خاص بات؟''

''چوکی دار کی شخصیت میں؟''

''اچھا۔'' بالے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔''اب چوکی دار بھی شخصیتوں کے مالک ہونے لگے تھے۔پھر ہم جیسوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔''

''برخوردار، ابھی تمہیں اس لائن میں بہت کچھ سیکھنا ہے۔تمہیں ابھی انگلی پکڑ کر چلنا تک نہیں آتا۔''

''جی ہاں، ابھی تو دانت بھی نہیں ٹوٹے۔''

''واقعی نہیں ٹوٹے؟''

''آپ توڑ دالیے نا۔'' بالے جھنجلا گیا۔

خان پھر ہنسنے لگا۔چند لمحے بعد بولا۔''چوکی دار کی ڈاڑھی اور سر کے بال دیکھے؟''

''آہاں، کیوں؟'' بالے چونک کر بولا۔''کیا مصنوعی تھے؟''

''سوفی صدی مصنوعی۔''

''مطلب یہ کہ چوکی دار کے میک اپ میں کوئی اور تھا؟''

''سوفی صدی کوئی اور تھا۔''

''اس کے باوجود آپ نے اسے نظر انداز کر دیا؟''

''پھر کیا کرتا؟'' خان نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، اس کے لیے کسی مناسب لڑکی کا انتظام کرتے۔'' بالے جل کر بولا۔

''لڑکی والے کوئی مناسب جہیز نہ دیتے تو کوئی حرج نہیں تھا۔''

''اب میں خود اسے دیکھ کر کیا کرتا؟ واجد اچھی طرح دیکھ لیتا ہے، اس کی آنکھیں کم زور نہیں ہیں۔''

''اوہ، یعنی آپ نے سول ہسپتال کے علاوہ بھی کہیں فون کیا تھا؟''

''ظاہر ہے کہ واجد کو کیا تھا۔''

''اور اِس کو کیوں اور کہاں لے جائیں گے؟''

''کس کو؟'' خان نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ پچھلی سیٹ پر شرما جو پڑا ہے۔''

''کہاں پچھلی سیٹ پر؟'' خان حیرت سے بولا۔

بالے نے پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کا منہ بھاڑ سا پھٹا رہ گیا، کیوں کہ پچھلی سیٹ خالی تھی۔

''میرے خدا، کیا اسے سیٹ نگل گئی؟''

''جب ہی تو کہتا ہوں، بد خوردار، تم اپنے سر کے پیچھے حصے میں دو آنکھیں اور لگواؤ، ورنہ سراغ رسانی چھوڑ کر اور دھندا شروع کرو، یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے۔''

''جیسے آپ کے فرشتوں کو علم ہی ہوگا۔'' بالے جل کر بولا۔

''فرشتوں کیوں تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی، میں نے خود اسے اترتے دیکھا تھا، یہ عقب نما آئینہ صرف لپ اسٹک درست کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔''

''کیا یہ بھی کسی اسکیم کو کائی حصہ ہے؟''

''ظاہر ہے۔''

''یعنی پھیلاؤ کافی معلوم ہوتا ہے۔''

''کافی سے بھی کچھ زیادہ۔ اس بار لوہے کے چنے چبانے ہیں۔''

''جناب، میں کل ہی اپنی بتیسی کو چھٹی دے دوں گا۔''

''تم میری اجازت کے بغیر ایسا بھی نہیں کر سکتے۔''

''میرا خیال ہے، مجھے موت کے سلسلے میں بھی آپ کی پابندی کرنا ہوگی۔''

''سوفی صدی۔''

Akram Allahabadi

''مگر یہ بتلایئے کہ آپ کرتے کیا پھر رہے ہیں؟''

''ہر چہار اطراف سے بساط پر مہرے بڑھا رہا ہوں۔کوئی شاہ کو مات دے ہی دے گا۔''

''خدا مجھے موت دے دے۔''بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''تمہاری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔جوزف کالونی چلے جاؤ،ابھی تو کسی گھر میں صبح کا پانی بھرا ہی ہوگا۔''

''مجھے یہ بتلایئے کہ شرما کو نظر انداز کر دینے کی کیا تک تھی؟''بالے جھنجلا کر بولا۔

''پھر کیا اس کا اچار ڈالتے؟''

''ہماری نجی قید اس کے لیے مناسب نہیں رہتی؟''

''وہ طریقہ تو اب فرسودہ ہوتا جا رہا ہے،مجھے نئے طریقے آزمانے دو۔''

''خوب ہے آپ کی آزمائش۔اتنا اچھا مہرہ ہاتھ سے نکال دیا۔''

''ہاتھ سے کہاں نکلا،تمہاری فرزانہ صاحبہ اب تو اتنی اناڑی بھی نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب؟''بالے چونک پڑا۔

''یہی کہ ٹنکی کے فون سے میں نے تین جگہ کال کی تھی۔''خان مسکرایا اور بالے چند لمحے توقف کر کے بولا۔''کیا ضروری ہے کہ فرزانہ نے شرما کو پا ہی لیا ہو؟''

''فرزانہ کا سکوٹر ٹنکی سے ہی ہمارے پیچھے تھا،برخوردار۔اس نے ضرور دیکھا ہوگا کہ شرما کہاں اور کس جگہ اترا ہے۔اس کو آزاد کرانے کے لیے ہی تو میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے اور ہاتھوں کی بندشیں جان بوجھ کر ڈھیلی چھوڑ دی تھیں۔''

''اس تھوڑے سے وقت میں آپ نے کتنی حیرت انگیز اطلاعات سنائی ہیں۔''

بالے طویل سانس لے کر بولا۔''شکر کیجیے کہ میرے قلب کی حرکت بند نہیں ہوئی۔''

Akram Allahabadi

''اب سنو۔ اگر میں تمھیں اطلاع سنا دوں کہ تمہاری مہارانی چنگم چوں میرے ہی ایماء پر حوالات سے فرار ہوئی تھی تب؟''

''خدا کے لیے بس کیجیے۔'' بالے ہاتھ اٹھا کر کراہا۔ ''اب دم حلق کے قریب آگیا ہے۔''

''اب جہاں اتنا سنا ہے تو تھوڑا سا اور سن لو۔''

''سنایے۔'' بالے مردہ سی آواز میں بولا۔

''آج کل مہارانی چنگم چوں کو صوفیہ چیک کر رہی ہے۔''

''خدا کی پناہ۔'' بالے نے آنکھیں پھاڑیں۔ ''یعنی آپ تو اسے اس لائن میں نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔''

''یہ میں نے اس کے انکل کے ایماء پر ہی کیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کے بارے میں ایک تفصیلی تحریر اس کے انکل کو بھجوائی تھی۔ کیوں کہ اس کے انکل نے خاص طور سے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں صوفیہ کے بارے میں لاپرواہ نہ رہوں۔ ایک طرح سے انھوں نے لکھا تھا کہ میں صوفیہ کی غائبانہ سرپرستی کروں۔ میں نے انھیں سارے حالات سے مطلع کیا تھا کہ جس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ اگر صوفیہ اپنے شوق کے لیے اتنی ہی پاگل ہوئی ہے تو پھر وہ اس کی راہ میں روڑا نہیں بننا چاہتے۔ میں اس کی صلاحیتوں کو آزماؤں اور پھر اس کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں، کروں۔''

''اوہ۔'' بالے نے ایک طویل سانس لی۔ تو آپ اسکی صلاحیتوں کو آزما رہے ہیں۔''

''کیا حرج ہے، کام بھی نکل رہا ہے۔''

''یعنی کام نکالنے کے لیے اب آپ ایسی عورتوں کو مجھ پر فوقیت دیں گے۔''

Akram Allahabadi

''میں نے سوچا تھا، تمہارا موڈ ذرا کاہلی کے دور سے گزر رہا ہے۔''

''سوچا ہی تھا یا کام بھی بتلایا؟''

''خوب، تاؤ کھا گئے؟'' خان مسکرایا۔

''تاؤ کھانے کی بات ہی ہے۔''

خان ہنس پڑا۔ بالے واقعی تاؤ کھا گیا تھا اور اسے اپنی کاہلی پر تاؤ بھی آنے لگا تھا۔ اس وقت وہ نہایت سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ اسے کچھ کرنا ہی چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا سوچنے لگے؟''

''ایں...؟'' بالے چونک کر بولا۔ ''کچھ بھی نہیں۔''

''کچھ تو؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' بالے اسی سنجیدگی سے بولا۔

خان نے اس کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چلو وہ ایسے مقصد میں کامیاب ہو تو گیا۔ درحقیقت بالے کو موڈ میں لانا چاہتا تھا اور اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریگیٹ رک گئی اور بالے چونک پڑا۔ کیوں کہ فریگیٹ کوٹھی ہی کے پورٹیکو میں رکی تھی۔ دونوں اتر کر کوٹھی میں داخل ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

قہقہوں کی ملکہ

بالے کے سر پر بس ایک ہی دھن سوار ہو کر رہ گئی تھی کہ اسے کچھ کرنا چاہیے، ورنہ وہ بالکل سچ مچ ہی بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ پھر وہ یہ کبھی نہ برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے مقابلے میں خان، فرزانہ، واجد اور صوفیہ کو کارآمد مہرے سمجھے اور اسے پٹے ہوئے مہرے کی مانند بساط سے خارج ہی کر کے رکھ دے۔

بس اس نے کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیا کرے، یہ فی الحال خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ شام ہوتے ہی آسٹن لے کر کوٹھی سے نکل پڑا تھا اور شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا پھر رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا ذہن آوارہ گردی نہیں کر رہا تھا۔ ذہنی لحاظ سے وہ کافی مصروف تھا۔ دراصل اس کا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟

حادثات کا ایک ذخیرہ اس کی نظر میں تھا۔ بیٹھے بٹھائے ایک ہنستے بولتے آدمی کا جسم ایک دم قیمہ بن کر ہڈیوں کا سرمہ ہو جانا معمولی حادثہ تو تھا نہیں اور اس قسم کے ایک نہیں کافی حادثات ہو چکے تھے۔ جوزف کالونی میں برپا ہونے والی قیامت اب تک اس کی نظر میں تھی، جس کے بارے میں شہر کے بڑے بڑے اخباروں کے ضمیمے اب تک فروخت ہو رہے تھے۔ دوسرے شہروں سے تار چلے آ رہے تھے۔ اعلیٰ حکام نے عملی مشینری کو پریشان کر رکھا تھا کہ اس قیامت کا راز جلدی کھلنا چاہیے، ورنہ یہ دارالحکومت کے لیے سچ مچ ایک قیامت ہی ثابت ہو سکتی ہے۔

حادثات جوزف کالونی میں ہوئے تھے، لیکن شہر کے لوگ پانی پینے سے ڈرنے لگے تھے۔ اکثر تو ایسے تھے جو صبح سے بھوکے پیاسے بیٹھے تھے، مبادا کہیں ان کے جسم کا قیمہ اور ہڈیوں کا سرمہ نہ بن جائے۔ دارالحکومت کی ساری قانونی مشینری حرکت میں آ گئی تی۔ پولیس

کی جیپ کاریں لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کرتی پھر رہی تھیں۔ زیادہ تر حکام نے خان کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ہر طرف سے خان کو فون پر فون آ رہے تھے۔ ان لوگوں کو حیرت اس بات پر تھی کہ اتنا زبردست حادثہ ہو گیا اور خان اتنے اطمینان سے کوٹھی پر بیٹھا ہے۔ خان حکام بالا کے فون رسیو کرتے کرتے پاگل ہوا جاتا تھا۔ بہر حال وہ سب کو تسلی بخش جواب دے رہا تھا۔

مگر لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ خان کوٹھی پر بلا وجہ نہیں بیٹھا۔ وہ ہر گھنٹے کے بعد اپنے ان آدمیوں سے رپورٹیں وصول کر رہا تھا جن کو اس نے مشکوک آدمیوں کے پیچھے لگا دیا تھا۔ مثلاً واجد سے چوکی دار کے بارے میں اطلاعات وصول کر رہا تھا۔ فرزانہ سے شرما کے بارے میں اور صوفیہ سے لیڈی سرفراز کے بارے میں۔

مگر واقعی اسے حیرت تھی کہ اب تک اسے ایک رپورٹ بھی کام کی نہیں ملی تھی۔ واجد کی رپورٹ چوکی دار کے بارے میں صرف اتنی تھی کہ وہ چوکی دار ٹنکی سے فرار ہو کر گلیوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ جب گلیوں سے سڑک پر پہنچا تھا تو اس کے چہرے پر ڈاڑھی اور سر پر سفید بال نہیں تھے۔ پس پھر وہ ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر جوزف کالونی میں اتر گیا۔ جوزف کالونی میں وہ ایک نفیس قسم کی رہائش گاہ میں رہتا ہے۔ خان نے واجد کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک اس کی نگرانی کرے جب تک کہ خان اسے وہاں سے ہٹنے کا حکم نہ دے۔ بعد کی اطلاعات یہ تھیں کہ وہ چوکی دار نہایت نفیس قسم کے سوٹ میں ملبوس دو تین بار اپنی رہائش گاہ سے نکلا تھا اور جوزف کالونی کے چند افراد سے ان حادثات کے بارے میں پوچھ گچھ کر کے اور اس پر حیرت ظاہر کر کے پھر اپنی رہائش گاہ میں گھس گیا تھا۔ بہر حال اس کی نگرانی بدستور جاری تھی۔

شرما کے متعلق فرزانہ کے اطلاعات تھیں کہ وہ فریگیٹ سے کود کر گلیوں گلیوں گھومتا ہوا ایک بڑی سڑک پر نکل گیا۔ وہاں سے اس نے ٹیکسی پکڑی تھی اور ہوٹل میگوین تک آیا تھا۔ شام تک وہ ہوٹل میگوین میں رہا تھا۔ وہاں پر اس کے بیٹھنے کا انداز ایسا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار

ہو۔پھر شام تک وہ اکتایا ہوا نظر آنے لگا تھا۔پھر وہ اٹھ ہی گیا تھا۔پھر وہ بلیو اسکوائر میں پہنچا تھا۔وہاں کی ایک عمارت میں داخل ہوگیا تھا۔اس سے پہلے عمات کا دروازہ مقفل تھا۔جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہے۔اس کے بعد وہ عمارت سے نکلتا نہیں دیکھا گیا تھا اور فرزانہ برابر اس عمارت کی نگرانی کر رہی تھی تاحکمِ ثانی اسے وہاں سے ہٹنا نہیں تھا۔

البتہ لیڈی سرفراز کے بارے میں صوفیہ کی اطلاعات کچھ وزن ضرور رکھتی تھیں۔ لیڈی سرفراز پر خان کی نظر اس وقت سے تھی جب کہ وہ اس شہر میں نووارد تھی۔شاید چار پانچ روز پیشتر وہ اس شہر میں نظر آئی تھی اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ جس وقت وہ ہوٹل میگوین کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرا رہی تھی اس وقت خان اس سے قریب ہی موجود تھا۔پتا لکھاتے وقت اس نے اپنا نام مس میروزہ لکھوایا اور اس وقت وہ تنہا ہی تھی۔

ایسی سینکڑوں عورتیں روزانہ ہوٹل میں ٹھہرا کرتی ہیں۔لہٰذا ان کی نگرانی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔خان چونکا تھا اس وقت جب کہ مس فیروزہ نے کسی بات پر ہنس کر منیجر سے کچھ کہا تھا۔بس وہ اس حرکات کی نگرانی کرنے لگا تھا۔جس کمرے میں فیروزہ تو ٹھہری تھی،خان نے اپنی متجسس فطرت سے مجبور ہو کر اس کمرے تک جھانکا تھا،مگر اسے وہاں بھی کوئی کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی تھی۔پھر اس نے فیروزہ کے بارے میں چھان بین کی تھی اور رپتا لگا تھا وہ کسی دوسرے شہر سے آئی تھی۔ایسی سینکڑوں عورتیں آتی جاتی رہتی ہیں،خان نے سوچا تھا۔مگر اس کی چھٹی حس نے کہا تھا کہ یہ ان سینکڑوں عورتوں میں نہیں،جنھیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال اس نے عادت سے مجبور ہو کر اس کے متعلق چھان بین کی تھی۔پھر اس نے صوفیہ کو ہوٹل میگوین میں اس کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا،جس سے اطلاعات ملتی رہتی تھیں کہ وہ ایک معمولی کپڑا فروش سے عشق لڑا رہی ہے۔اور اس اطلاع پر خان کے کان اور زیادہ کھڑے ہو گئے تھے۔

پھر فیروزہ کی بجائے لیڈی سرفراز بن کر سول سوسائٹی میں جانے آنے لگی تھی۔اس

کے بعد وہ حادثہ ہو گیا تھا جس میں سرفراز کے جسم کا قیمہ اور ہڈیوں کا سرمہ بن گیا تھا۔ تب خواہ مخواہ خان کے شکوک اور پختہ ہو گئے تھے۔

پھر جب اس نے پاگل پن کا ڈھنگ رچایا تھا، تب خان اور زیادہ چونکا تھا اور خان نے ہی اسے حوالات میں بھجوایا تھا، جہاں سے پاگل خانے بھجوانے کی بات مشہور کرائی تھی، مگر حولات سے بھاگنے کا موقعہ خود خان نے ہی اس کے لیے فراہم کرایا تھا اور صوفیہ بھی اس کے کے پیچھے لگی رہی تھی۔

بعد کی صوفیہ سے ملی ہوئی اطلاعات بتلاتی تھیں کہ درحقیقت خان کے شکوک لایعنی نہیں تھے، کیوں کہ صوفیہ نے اس کی کئی غیر معمولی حرکات کی اطلاع دی تھی۔

پہلی بات یہ کہ وہ حولات سے فرار ہو کر سمندر کے ساحلی علاقے کی طرف چلی گئی تھی، جہاں پہنچ کر صوفیہ، سنسان علاقہ ہونے کے باعث اس کا تعاقب کرنے سے معذور تھی۔ پھر صوفیہ نے قریب قریب آدھ گھنٹے کے بعد اسے وہاں سے واپس آتے دیکھا تھا۔ پھر وہ وہاں سے ہوٹل میگوین جانے کی بجائے سیدھی جوزف کالونی گئی تھی۔ جہاں وہ جوزف کلب میں داخل ہوئی تھی۔ بڑی دیر تک وہاں جوا کھیلتی رہی اور جیتتی رہی تھی۔ اس وقت وہ وہاں بالکل ایک اجنبی ممبر کی حیثیت سے معلوم ہوتی تھی۔ لیکن شام کے چھ بجے وہ جوزف کلب کے نزدیک بالائی گیلری میں گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد صوفیہ نے جوزف کو بھی اوپر جاتے دیکھا تھا۔ بالائی گیلری کے ایک کمرے میں فیروزہ داخل ہوئی تھی۔ اسی میں جوزف بھی داخل ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد جوزف نکل کر چلا آیا تھا، مگر فیروزہ نہیں نکلی تھی۔ کلب بند ہوتے وقت صوفیہ کو کلب سے نکلنا پڑا تھا، مگر اس وقت بھی فیروزہ نہیں نکلی تھی۔

صوفیہ بدستور کلب کی نگرانی کرتی رہی تھی، حتٰی کہ اس نے دوسرے دن دوپہر تک فیروزہ کو کلب سے نکلتے نہیں دیکھا۔ جوزف کلب کی عمارت ایسی تھی جس میں رات کو نائٹ کلب رہتا تھا اور دن میں اسے ریستوران کے طور پر چلایا جاتا تھا۔ ریستوران چالو ہوتے ہی

صوفیہ ریستوران میں جا کر جم گئی۔اس کے بعد اس نے جوزف کو اسی کمرے میں جاتے دیکھا تھا، جس میں فیروزہ داخل ہوئی تھی۔اس وقت صوفیہ نے جوزف کا سر پٹیوں سے ڈھکا ہوا اور ہونٹ سوجا ہوا دیکھا۔جس کے بارے میں صوفیہ کو علم تھا کہ یہ بالے کی حرکت کا نتیجہ ہے، کیوں کہ جس وقت جوزف کی مرمت ہو رہی تھی تب بھی صوفیہ فیروزہ کے سلسلے میں کلب میں ہی موجود تھی، مگر صوفیہ کی ایک یہی خصوصیت خان کو بھی بہت پسند تھی کہ اگر وہ چاہتی تو ہزاروں واقف کاروں کی نظروں سے بچ کر بھی رہ سکتی تھی۔

بس پھر دوپہر کے بعد جوزف کلب سے باہر جاتے دیکھا گیا تھا، مگر صوفیہ کو تو فیروزہ کی دیکھ بھال کرنی تھی، چناں چہ وہ وہی جمی رہی تھی۔

پھر اس کی شام تک کی اطلاعات یہی تھیں کہ نہ فیروزہ ہی اس کمرے سے برآمد ہوئی تھی نہ ہی جوزف واپس آیا تھا۔جوزف کے بارے میں تو خان کو علم تھا کہ وہ کلب سے نکل کر کسی طرح بالے سے ٹکرا گیا تھا اور پھر حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔یہ ساری اطلاعات اسے صوفیہ سے دو قسطوں میں ملی تھیں، کچھ صبح اور کچھ سہ پہر کے بعد، جب وہ شرما کو گاڑی سے فرار کا موقعہ دے کر کوٹھی پہنچا تھا۔

بہر حال یہ سب تھا، لیکن بالے ان تمام حالات سے بس واجبی ہی طور پر واقف تھا، اسے خان نے فیروزہ کے بارے میں جو کہانی بتلائی تھی وہ سو فی صدی گپ تھی، اور اس کہانی کا مقصد صرف اتنا تھا کہ بالے خود بھی فیروزہ کے تلاش میں لگ جائے۔

اور اس کا نتیجہ بھی خاطر خواہ نکلا۔

بالے حادثات کے بارے میں سوچتا ہی رہا اور یہ سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ کس طرح خان کو اپنی برتری کا احساس دلایا جائے، بتلایا جائے کہ وہ کوئی کام چور یا کاہل نہیں ہے۔بس وقتی طور پر خان کو پریشان کرنے کے لیے کاہل بن جاتا ہے۔

وہ سوچتا رہا اور اس کے ذہن میں کئی اسکیموں نے جنم لیا اور آخر تان ٹوٹی تو صوفیہ کی

تلاش پر ہی آ کر۔اس امر میں بالے کے کام کرنے کی دھن سے زیادہ بالے کی بالیاتی حس کی اکساہٹ کو دخل تھا۔اسے خان نے بتایا تھا کہ صوفیہ لیڈی سرفراز کی نگرانی کر رہی ہے اور لیڈی سرفراز کو بالے نے ایک بار دیکھا تھا۔مگر بقول حاتم طائی کے،'ایک بار دیکھا تھا اور دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے'۔لیڈی سرفراز کی دل کشی اپنی مثال آپ ہی تھی۔حالاں کہ خود بالے کے خیال میں لیڈی سرفراز سے زیادہ اہمیت چوکی دار اور شرما کی تھی،مگر ان کے پیچھے کیوں کہ خان کے بیان کے مطابق واجد اور فرزانہ لگے ہوئے تھے۔لہٰذا وہ ان کے شکار چھیننا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔وہ جانتا تھا کہ واجد کام کے سلسلے میں بالے کو بھی خان کی شخصیت یا ایک حصہ سمجھتا ہے،لہٰذا جب وہ بالے کو اپنے کام میں ہاتھ ڈالتے دیکھے گا تو برائے اعتراض کرنے کے اور زیادہ معاون ثابت ہوگا۔رہ گئی فرزانہ،تو وہ تو بالے کی باغ و بہاری پر جان چھڑکتی تھی۔اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ بالے سے ان گھنٹوں می بھی لطیفے سنا کرے جن میں بالے سویا کرتا ہے۔لہٰذا وہ بالے کو اپنے کام میں ہاتھ ڈالتے دیکھتے ہی فوراً ہنسنے ہنسانے میں مصروف ہو جائے گی۔

مگر لطف اسی شکار میں آتا ہے جو دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کیا جائے۔دوڑ دھوپ کے شکار کے سلسلے میں صوفیہ کے شکار سے اچھا کون سا شکار ہو سکتا ہے؟ صوفیہ تو،بالے کے خیال میں،اپنے شکار پر بالے کو جھپٹتے دیکھ کر اس طرح پر کڑکڑا کر جھپٹتی جیسے انڈوں پر بیٹھی ہوئی مرغی۔اور شکار بھی کیسا،جس کے پیچھے اسے خان نے لگایا ہو۔اس خان نے جس کی شاگردی کے صوفیہ کبھی خواب دیکھا کرتی تھی اور بڑی مشکلات کے بعد جس کی اسے شاگردی نصیب ہوئی ہو۔

شکار جھپٹنے کا لطف،بالیاتی حس کا تقاضا،صوفیہ سے چھیڑ چھاڑ کا مزہ۔ان تمام باتوں نے بالے کو صوفیہ کی تلاش پر مجبور کر دیا اور وہ ہر اس امکانی جگہ پر صفیہ کو تلاش کرنے لگا جہاں اس نے کبھی صوفیہ کو کسی بھی کام کے سلسلے میں دیکھا تھا۔مگر اس کی رات کا ایک بٹا چار حصہ صرف صوفیہ ہی کی تلاش میں گزر گیا اور تب اسے اپنے اوپر جھنجلاہٹ سوار ہوئی کہ کیا حماقت کی بات

ہے، وہ تو کچھ کرنے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور بلا وجہ کے چکروں میں ہی رات کا چوتھائی حصہ گزر گیا۔ بالے نے اپنی کمر ٹٹولی، وہاں پتلون پر بیلٹ بندھا ہوا تھا۔ اس نے سوچا چلو کمر تو بندھی ہی ہوئی ہے۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ صوفیہ کو کہاں تلاش کرے۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک تجویز آئی اور اس نے ایک پبلک کال بوتھ کے سامنے آسٹن روک دی۔ آسٹن سے اتر کر وہ کال بوتھ میں داخل ہوا۔ رسیور اٹھا کر اس نے کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے اور رسیور کان سے لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''ہیلو۔'' چند لمحے بعد آواز آئی۔ ''خان اسپیکنگ۔''

''اوہ، خان صاحب۔ میں صوفیہ بول رہی ہوں۔' بالے نے صوفیہ کی آواز کی نقل کی۔

''اوہ، کہو کیا بات ہے؟''

''دیکھیے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا، مجھے بتلایے کہ اب میں کیا کروں؟''

دوسری طرف چند لمحے تک خاموشی رہی۔ بالے پھر بولا۔

''بتلایے میں الجھن میں پڑ گئی ہوں۔''

''کسی اور کو بے وقوف بنانا، دوست۔'' رسیور پر آواز آئی۔ ''میرا نام خان ہے، خان۔''

پھر قبل اس کے کہ بالے کچھ بولتا دوسر طرف سے ڈسکنکٹ کر دیا گیا۔ چند لمحے بعد بالے نے پھر کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے، مگر لائن انگیج نکلی۔ بالے نے ایک طویل سانس لے کر رسیور ہک پر رکھ دیا اور جیب میں سگریٹ پیپر کا پیکٹ اور تمباکو کا پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

سگریٹ بنا کر سلگانے کے بعد اس نے پھر رسیور اتارا اور کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے۔

دوسری طرف سے فوراً ہی رسیو کیا گیا۔

Akram Allahabadi

''ہیلو، خان اسپیکنگ۔'' شاید وہ فون کے قریب ہی موجود تھا۔

''خدا کا شکر ہے۔'' بالے نے طویل سانس لی۔

''اوہ، بالے؟'' خان چونک کر بولا۔ تم کہاں سے بول رہے ہو؟''

''زمین کے نیچے سے آسمان کے اوپر سے، کال بوتھ نمبر ۱۳ کے اندر سے۔''

''ہوں...'' خان نے ایک طویل سانس لی۔ ''یعنی تم ہی تھے؟''

''کہاں؟ کون؟'' بالے نے حیرت سے کہا۔

''برخوردار، استادوں سے استادی نہیں چلتی۔ میں ابھی ایکسچینج سے معلوم کر چکا ہوں کہ ابھی ابھی مجھے جو کال ملی تھی وہ پبلک کال بوتھ نمبر ۱۳ سے کی گئی تھی۔''

''سنیے۔'' بالے سنجیدگی سے بولا۔ ''میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہوں۔''

''بہت خوب۔'' خان کی ہنسی سنائی دی۔ ''یہ بالے صاحب کی زبان کہہ رہی ہے۔''

''جی ہاں، خالص بالے خان کی زبان۔''

''مجھے خوشی ہے کہ بالے صاحب کو اپنی خودکاری کا احساس ہوا، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری چھیڑ چھاڑ پسند فطرت اور بالیاتی حس نے تمہیں صوفیہ کا پتا معلوم کرنے پر مجبور کیا ہے، مگر صوفیہ کا پتا حاصل کرنے کا وہ ڈھنگ بہت بھونڈا تھا جو تم نے ابھی اختیار کیا تھا۔ تم ساری دنیا کو دھوکہ دے سکتے ہو، مگر میں خان ہوں۔''

''میں سمجھا، جناب، کہ آپ خان ہیں۔ اب آگے بھی بتلایئے۔''

''صوفیہ تمہیں جوزف کالونی میں مل سکتی ہے۔ سوچو کہ وہ جوزف کالونی میں کیوں اور کہاں ہو سکتی ہے۔ لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم دونوں کی چھیڑ چھاڑ میرے کام میں حرج ہوئی تو... تو میں تمہیں معاف کروں گا نہ صوفیہ کو۔''

پھر دوسری طرف سے ڈسکنکٹ کر دیا گیا۔ بالے نے ایک طویل سانس لے کر

رسیور ہک پر لٹکا دیا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ اس وقت جوزف کالونی میں ہی تھا۔ دراصل وہ صوفیہ کو تلاش کرتے کرتے ادھر بھی آیا تھا۔ یہ بھی سوچا تھا کہ وہ جوزف کالونی کے حالات بھی دیکھ لے گا۔

اس نے جوزف کالونی میں لوگوں کو روزانہ کی طرح کاروبار میں مصروف ضرور دیکھا تھا، مگر ساری فضا سہمی سہمی سی لگ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قبرستان میں کچھ مردے چل پھر رہے ہوں، جنھیں بولنے یا ہنسنے کی تو دور کی بات مسکرانے تک کی اجازت نہ ہو۔ جوزف کالونی کو پانی پولیس نے سپلائی کیا تھا۔ ٹرکوں اور گاڑیوں پر پانی کے ڈرام لاد لاد کر لائے گئے تھے، حالاں کہ پولیس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اب پانی بے ضرر ہے، مگر پبلک نے نلوں کا پانی استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

بہر حال بالے رسیور ہک پر لٹکا کر جوں ہی مڑا وہ چونک پڑا۔ اس نے ایک آدمی کو بوتھ کے بالکل قریب کھڑے دیکھا تھا جو سیاہ الاسٹر اور نیلی فیلٹ ہیٹ پہنے تھا۔ کالر کھڑے ہوئے تھے اور فیلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالے نے سوچا کہ ممکن ہے کوئی فون کرنے کے انتظار میں کھڑا ہو، لیکن کوئی فون کے انتظار میں ہوتا تو بالے کو پلٹتے دیکھ کر نکل جانے کا راستہ دیتا۔ مگر وہ بدستور راستہ روکے کھڑا تھا۔

بالے کی چھٹی حس نے کسی نئے خطرے کا اعلان کیا اور اس نے ریوالور کو جیب میں مضبوطی سے تھام لیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے وہ غلطی پر ہو۔ چناں چہ اس نے بڑے مہذب لہجے میں کہا۔

"جناب، مجھے بوتھ سے باہر آنا ہے۔"

اس آدمی نے جواب نہیں دیا، صرف کالر گرا دیے اور ہیٹ کو گوشہ اٹھا دیا اور بوتھ کے بلب کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔ بالے کے ہاتھ سے سکریٹ نکل گئی۔ کیوں کہ وہ سوائے جوزف کے اور کوئی نہیں تھا۔ جوزف جس کا جسم بالے نے اپنی آنکھوں سے قیمے کے

ریزوں میں تبدیل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچے بالے کو گھور رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ بولا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ جوزف اپنی بے عزتی بھول گیا ہے۔ میرا بھوت تمام عمر تمہارا پیچھا کرے گا اور کبھی نہ کبھی تم سے ایک دل دہلا دینے والا انتقام لے کر رہے گا۔"

پھر اس نے کالر کھڑے کیے، فیلٹ کا گوشہ جھکایا اور دائیں طرف کو مڑ گیا۔ ایک لمحے کے لیے بالے گم سم کھڑا رہا۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ جھپٹ کر بوتھ سے نکلا اس نے جوزف کے بھوت کو ایک گلی میں مڑتے ہوئے دیکھا۔ بالے کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ جب وہ گلی کے موڑ پر پہنچا تو اس نے دیکھا جوزف کا بھوت زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ بالے اس کے پیچھے چلنے لگا۔

گلیاں سرِ شام ہی سنسان ہو گئی تھیں۔ جوزف کالونی کے گلی کوچوں میں بھی قبرستان جیسی وحشت طاری تھی۔

ابھی بالے مشکل سے دس بارہ گز ہی بڑھا ہو گا کہ داہنی سمت کی گلی سے ایک شخص بڑی تیزی سے نکلا اور بال کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ اس کے جسم پر بھی سیاہ الاسٹر اور نیلی فیلٹ ہیٹ اور کالر کھڑے ہوئے تھے۔ فیلٹ کو گوشہ پیشانی پر جھکا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے کالر گرے، فیلٹ کا گوشہ اٹھا اور بالے بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا، کیوں کہ وہ بھی جوزف ہی تھا جو کہہ رہا تھا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ جوزف اپنی بے عزتی بھول گیا۔ میرا بھوت تمام عمر تمہارا پیچھا کرے گا اور کبھی نہ کبھی تم سے ایک دل دہلا دینے وال انتقام لے کر رہے گا۔"

پھر وہ مڑا اور اسی سمت میں چلنے لگا جدھر پہلا جوزف کا بھوت گیا تھا۔ بالے حیرت سے آنکھیں اور منہ پھاڑ کے دیکھتا رہ گیا کیوں کہ پہلا بھوت دوسرے بھوت سے زیادہ سے زیادہ پچاس گز کے فاصلے پر ہو گا۔ جب بالے چونکا تو دوسرا بھوت بھی اس سے بیس بائیس گز کے قریب آگے نکل چکا تھا۔ اس نے کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر آواز لگائی۔

"اماں، بھوت بھائیو، میری بات سنو۔"

مگر بھوت بھائیوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ بالے ان دونوں کے پیچھے لپکا۔ مگر وہ مشکل سے دس بارہ قدم ہی بڑھا ہوگا کہ بائیں سمت گلی سے ایک آدمی نکلا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا بھی لباس پہلے دونوں بھوتوں سے مختلف نہیں تھا۔ اس نے بھی کالر اور فیلٹ کو گوشہ ہٹایا اور وہ بھی سوفی صدی جوزف کا بھوت ہی ثابت ہوا۔ اس نے بھی یہی کہا۔ ''یہ نہ سمجھنا کہ جوزف جوزف اپنی بے عزتی بھول گیا۔ میرا بھوت تمام عمر تمہارا پیچھا کرے گا اور کبھی نہ کبھی تم سے دل دہلا دینے والا انتقام ضرور لے کر رہے گا۔''

پھر وہ بھی مڑا اور چل پڑا۔ اس کا فاصلہ دوسرے بھوت سے تیس چالیس گز دور رہا ہوگا۔ تینوں بھوت تھوڑے تھوڑے فاصلے سے آگے پیچھے چل رہے تھے اور بالے کھوپڑی سہلاتا ہوا شرارت آمیز نظروں سے ان بھوتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر اپنے کالر کھڑے کیے اور فیلٹ کو گوشہ جھکایا اور ان تینوں کے پیچھے اس طرح چلنے لگا جیسے وہ چوتھا جوزف کا بھوت ہو۔ مگر ان تینوں میں سے کسی ایک نے بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ بالے بڑے اطمینان سے ان کے تعاقب میں چل رہا تھا، حالاں کہ ان کے جوتوں میں ربڑ سول تھے، مگر وہ جان بوجھ کر جوتوں سے آہٹیں پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک منٹ تک چلنے کے بعد اس نے پہلے بھوت کو رکتے دیکھا مگر دوسرے دونوں بھوت چلتے رہے۔ بالے بھی چلتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور ریوالور کے دستے پر ہاتھ کی گرفت مضبوط تھی۔

دوسرا بھوت پہلے بھوت کے نزدیک پہنچا اور وہ بھی رک گیا مگر تیسرا بھوت چلتا ہی رہا۔ بالے نے چلنا بند نہیں کیا تھا۔ پھر تیسرا بھوت ان دونوں بھوتوں کے نزدیک پہنچ کر رک گیا۔ پھر تینوں بھوت ایک دم بالے کی طرف مڑے ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور وہ تینوں سوفی صدی جوزف نظر آرہے تھے۔ بالے چلتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوابیدگی سی تھی۔ چہرے پر ایک گہری سنجیدگی طاری تھی۔ ہونٹ خفیف سے کھلے ہوئے تھے۔ وہ ان سے

پانچ گز کے فاصل پر رک گیا۔تینوں بھوتوں نے بیک وقت کہا۔

"تم ہمارا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟" مگر آواز صرف ایک ہی تھی۔ہونٹ تینوں کے ہلے تھے۔بالے نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"پیارے بھوتو! میں تم سے ایک التجا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو۔" اس بار بھی تینوں کے ہونٹ ہلے مگر آواز ایک ہی نکلی۔

"مجھے ایک گلاس ویسے ہی پانی کی ضرورت ہے، جس نے جوزف کو بھوت میں تبدیل کردیا۔میں بھی وہ پانی پیکر تم لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔مجھے نہیں چاہیے یہ فانی جسم۔یہ فانی لباس۔میں بھی تم لوگوں کی طرح لافانی اور امر ہونا چاہتا ہوں۔ڈائریکٹر محبوب کا امر نہیں۔کیوں کہ وہ دلی] کمار ٹرج اور دلیپ کمار المیہ اداکاری کا شہنشاہ کہلاتا ہے۔ویسے شہنشاہ میں رنجن ہیرو تھا۔اسے جی۔پی۔سی ن بنایا تھا۔سپی کے اندر موتی نکلتا ہے۔وہ موتی جو برسات کا ایک قطرہ ہوتا ہے۔جو قطرہ بے چاری جان دار سپی کی پیاس بجھاتا ہے۔ورنہ وہ سپی سمندر میں رہ کر بھی پیاسی ہی رہتی ہے۔آہا، کسی ادیب نے کیا شعر کہا ہے اسی پر:

اے سمندر دیکھ لی ہم نے تری دریا دلی
تشنہ لب رکھا صدف کو بوند پانی کی نہ دی

چہ واہ، لطف بیانی ملاحظہ فرمایے۔مجھے یاد نہیں یہ شعر کس کا ہے۔ویسے مرزا صاحب لکھنوی کا بھی ہوسکتا ہے یا میر محمد تقی میر...ا رر...میر محمد تقی میر کا بھی۔کیوں کہ میر کی شاعری میں المیہ عناصر کا وجود ضرورت س زیادہ ہے، ویسے ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے اور ماں بیٹے سے بیٹیوں کے مقابلے میں زیادہ پیار کرتی ہے۔مگر گود میں باپ کو ہی لے کر بیٹھتی ہے۔بیٹا کھٹیا پر بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہتا ہے۔حقہ ہمارے بزرگوں کی ایجاد ہے، جس کی نقل انگریزوں نے کی اور پائپ بنالیا۔ویسے انگریزوں سے زیادہ غدار قوم دنیا دنیا کے پردے پر نہیں ملے گی۔انھوں نے ہمارے ملک کو نوے سال تک غلام بنائے رکھا مگر اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ہمارا ملک آزاد ہے۔ہم

Akram Allahabadi

آزاد ہیں۔انقلاب زندہ باد انقلاب زندہ باد۔شیخ بالے زندہ باد۔

بکواس کرتے کرتے بالے نے تین زار بار زوردار نعرے بلند کیے اور پھر تیورا کر زمین پر گر پڑا۔اس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔مگر وہ تینوں اس کی نظروں میں تھے۔

جوزف کے تینوں بھوت اس کی طرف اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے یا تو وہ خود پاگل ہو گئے ہوں یا صحیح دماغ رکھتے ہوں۔مگر انھیں کسی پاگل خانے لا کر بند کر دیا ہو۔کافی دیر کے بعد ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور عجیب اندز میں گردنوں کو جنبش دی پھر ایک بولا۔

''بے ہوش ہو گیا۔''

''غالباً دماغ کھو بیٹھا۔''دوسرے نے کہا۔

''مادام کی تجویز کامیاب رہی۔''تیسرا بولا۔

''چلو اٹھاؤ۔''

پھر ان تینوں نے اٹھا لیا اور لے کر ایک طرف چل دیے۔بالے نے اپنا جسم بالکل ڈھیلا چھوڑ رکھا تھا،جیسے کافی دیر سے بے ہوش ہی ہو۔وہ لوگ چلتے رہے۔لیکن بالے نے راستے کو نظر انداز نہیں کیا۔وہ ادھ کھلی آنکھوں سے راستے کو بھرتا رہا۔وہ لوگ جوزف کالونی کی گلیوں میں چل رہے تھے۔انھوں نے زیادہ تر بڑی سڑک کو نظر انداز کر دیا تھا۔

ایک عمارت کے سامنے جا کر رک گئے۔اس سفر کا سلسلہ قریباً پندرہ منٹ تک جاری رہا۔مگر بالے کو توقع نہیں تھی کہ یہ سلسلہ اتنی جلدی ہو جائے گا۔وہ لوگ رکے تو وہ یہ سمجھا کہ اب اسے کسی سواری میں لادا جائے گا۔لیکن ایسا نہیں ہوا۔اس کی توقع کے غلاف وہ لوگ اس عمارت کی گراؤنڈ میں داخل ہو گئے۔بالے اندازہ نہیں کر سکا کہ یہ عمارت اس کی نظروں میں اس سے قبل بھی کبھی آ چکی ہے یا نہیں،کیوں کہ جوزف کالونی کی عمارتیں زیادہ تر ایک ہی طرح کی بنی

ہوئی ہیں۔بہر حال گراؤنڈ میں داخل ہوتے ہی اس نے اندازہ کرلیا کہ یہ کسی عمارت کا عقبی حصہ ہے، جس کا اگلا حصہ یقیناً بازار میں ہوگا۔

وہ لوگ اسے لے کر برآمدے میں چڑھے۔پھر ایک دروزے کے سامنے رک کر کسی نے کال بیل کا بٹن دبایا۔اندر کہیں دور افتادہ حصے میں گھنٹی کی ٹرن ٹرن گونجی۔چند لمحے بعد قدموں کی آہٹیں بالے کی سماعت سے ٹکرائیں پھر دروازہ کھول دیا۔ساتھ ہی اس کے پپوٹوں نے تیز روشنی کا احساس کیا۔غالباً برآمدے کی بتی جلائی گئی پھر بالے نے کسی مرد کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔''واہ، بہت خوب۔تمہاری کامیابی مادام کے لیے باعثِ خوشی ہوگی۔''پھر وہ لوگ اسے لے کر عمارت میں داخل ہوگے۔بالے کے کان مادام کے نام پر کھڑے ضرور ہوگئے، مگر وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون مادام ہوسکتی ہیں۔وہ بھی ایسی مادام جنہیں بالے سے کسی قسم دلچسپی بھی ہو اور جوزف سے واقفیت بھی رکھتی ہوں۔ظاہر ہے کہ اسے جوزف کے بھوتوں کے ذریعے ہی جال لانے کا پروگرام بنایا گیا تھا اور جو جملہ جوزف کے بھوت دہراتے تھے وہ سوفی صدی جوزف کا جملہ تھا جو اس نے موت سے صرف چند ہی منٹ پیشتر کہا تھا اور اس کے بعد اسے کسی سے ملنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ظاہر ہے کہ وہ جملہ جوزف نے اپنے کسی شناسا سے ہی کہا ہوگا جس سے جوزف کی موت کے بعد فائدہ اٹھایا گیا۔بالے نے سوچا کیا وہ مہارانی چنگم چوں عرف لیڈی سرفراز ہے مگر لیڈی سرفراز کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ رات کو اس نے جوزف سے جھپٹ ہوتے دیکھی تھی اور بالے نے ایسی اس قسم کی کوئی بات نوٹ نہیں کی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ لیڈی سرفراز ایک دوسرے سے واقف ہیں۔

بہر حال کچھ دیر بعد وہ لوگ ایک زینہ طے کر کے راہ داری میں پہنچے پھر ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔انکے ساتھ وہ شخص بھی تھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور اندر سے ایک کھنکھناتی ہوئی آواز گونجی۔

''آجاؤ۔''

بالے کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ سوچ رہا تھا جس کی آواز اتنی حسین ہے وہ بذاتِ خود کتنی عظیم ہوگی۔ دروازہ کو دھکا دے کر کھولا گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے اور پھر بالے کی ادھ کھلی آنکھیں بڑی مشکلسے قابو میں رہ سکیں۔ کیوں کہ اس نے ادھ کھلی آنکھوں کے جھروکوں سے جو کچھ دیکھا وہ نا قابلِ اعتبار نہیں تھا، اس کے سامنے لیڈی سرفراز کھڑی تھی۔ سر سے پیر تک سفید لبادے میں ملبوس۔ اس کا انداز بڑا شاہانہ تھا۔ وہ بالے کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

''اوہ ہمارے مہمان آ گئے۔''

''جی ہاں، مادام۔'' ان میں سے ایک بولا۔ ''ہمیں زیادہ محنت بھی نہیں کرنا پڑی۔''

''انھیں زمین پر کھڑا کر دو۔''

''یہ بے ہوش ہیں، مادام۔''

''بے ہوش؟'' لیڈی سرفراز مسکرائی۔ ''ان کی آنکھیں بتلا رہی ہیں یہ بے ہوش نہیں۔ انھیں کھڑا کر دو۔''

دفعتاً بالے ان کے ہاتھوں سے پھسل کر فرش پر کھڑا ہو گیا اور ادب سے سر جھکا کر بولا۔

''مہارانی چنگم چوں کی خدمت میں وزیرِ اعظم آداب بجالاتا ہے۔''

''ہم وزیرِ اعظم سے مل کر بہت خوش ہوئے۔'' لیڈی سرفراز نے آہستہ سے ہنس کر کہا۔

مگر وہ قہقہہ بالے کو بالکل ایسا لگا جیسے یک بیک وہ کسی بہت اونچے سیارے سے فضا میں اچھال دیا گیا ہو وہ قہقہہ اسے تمام زندگی نہیں بھول سکتا تھا۔ وہ قہقہہ تو اس کو شاید مر کر بھی یاد رہتا۔ وہ بھونچکا سا منہ اور آنکھیں پھاڑے لیڈی سرفراز کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔

دفعتاً ان لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

''ہمارے لیے کیا حکم ہے، مادام؟''

''تم لوگ باہر ٹھہرو۔ ہاں، وہ لومڑی؟''

''مادام، پنجرے میں پہنچا دی گئی۔ ایک نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

لیڈی سرفراز پھر ہنس پڑی اور ہاتھ کے اشارے سے ان لوگوں سے جانے کو کہا۔ وہ لوگ بڑے مؤدبانہ انداز میں پیچھے ہٹے اور گھوم کر نکل گئے۔ لیڈی سرفراز بالے کی طرف متوجہ ہوی۔ مگر بالے بنا پلک جھپکائے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم یقیناً حیران ہو گے؟'' لیڈی سرفراز نے مسکرا کر کہا۔ ''کہ مہارانی چنگم چوں پاگل خانے کی بجائے یہاں کیوں نظر آ رہی ہے؟''

''جی ہاں۔'' بالے نے ایک طویل سانس لی۔ ''میں حیران ہوں، مادام شوگانیہ۔'' بالے نے زور دے کر کہا۔ ''بہت زیادہ حیران ہوں۔ صرف اتنا سوچ کر موت کو انسان کی طرف بھاگتے ہوئے ہمیشہ دیکھا گیا ہے، مگر انسان کو موت کے پیچھے بھاگتے کبھی نہیں دیکھا گیا۔''

لیڈی سرفراز، جو شوگانیہ تھی، پھر قہقہہ کے ساتھ ہنس پڑی اور بالے شوگانیہ کی اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود اس قہقہوں کے ترنم میں کھو سا گیا۔ بالے نے اپنی ڈائری میں شوگانیہ کو قہقہوں کی ملکہ کے نام سے منسوب کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

فیروزہ غائب

بالے چونکا اس وقت جب کہ شوگانیہ نے ہی اسے مخاطب کیا۔

''اوہ، مجھے افسوس ہے کہ تم اور خان موت کے قریب آتے جا رہے ہو۔''

بالے نے اس کے جواب میں ایک قہقہہ لگایا۔شوگانیہ اس کے قہقہہ پر مسکرا کر بولی۔

''تمہاری یہی بات مجھے پسند ہے کہ تم موت کے نزدیک آ کر بھی گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوتے۔''

''اس لیے کہ موت، خان اور بالے کے ناموں سے کانپ کر بھاگ جاتی ہے۔'' بالے مسکرا کر بولا۔

شوگانیہ نے پھر قہقہہ لگایا اور قدرے توقف سے بولی۔

''تمہارے چیف کی غیر معمولی ذہانت ہی اس کی موت کا سبب بن سکتی ہے۔اس بار ہم لوگوں کا تمہارے ملک میں کشت وخون کا ارادہ نہیں، ہم اپنا کام کر کے چپ چاپ چلے جائیں گے۔مگر تمہارا چیف، وہ شاید ہم لوگوں کو سونگھ کر بھی پہچان لیتا ہے، بلکہ ہوا میں بھی ہماری خوشبو محسوس کر لیتا ہے۔ابھی چند ہی روز قبل کی بات ہے کہ جب میں یہاں آئی ہوں، اس نے ہوٹل میں مجھے دیکھا تھا، مگر اہمیت نہ دی تھی۔لیکن میرے قہقہے پر اس طرح چونکا تھا جیسے مجھے فوراً پہچان گیا ہو اور تب ہی سے اس کی ایک چالاک لومڑی میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔میں صرف اس غرض سے طرح دیتی رہی کہ یہاں ہم لوگ قانون سے الجھنے نہیں آئے۔ہم اپنا کام کر کے خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔لیکن تمہارے چیف کی ذہانت ہمیں کشت وخون پر مجبور کر سکتی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ہم لوگ کہیں بھی مجبور نہیں ہیں۔''

''تم کہتی ہو کہ تم یہاں کشت وخون کرنے نہیں آئیں۔'' بالے نے کہا۔ ''مگر جوزف کالونی میں جو ہزاروں آدمی مارے گئے؟''

''ان ہزاروں بے گناہوں میں ہمارا ایک خاص آدمی بھی کام آیا ہے۔'' شوگانیہ مسکرا کر بولی۔ ''ہم نے جوزف جیسے قیمتی آدمی کو کھودیا۔''

''اوہ، جوزف۔'' بالے حقارت سے ہنسا۔ اگر جوزف جیسے کیچوے تمہارے لیے قیمتی ہیں تو میں تنہا ہی تمہارے سارے گروہ کے لیے کافی ہوں۔''

''زیادہ اونچے نہ اڑو، بعض اوقات شیر بھی چوہے کا محتاج ہو جاتا ہے۔''

''جیسے اس وقت میں تمہارے سامنے ہوں۔'' بالے ہنسا۔

''چلو یہی سمجھ لو۔'' شوگانیہ ہنس کر بولی۔ ''ہم تمہارا دل بھی نہیں توڑنا چاہتے۔''

''مگر ایک بات بتلاؤ گی؟''

''پوچھو۔''

''تم نے ہماری سرزمین پر اب کیوں قدم رکھا ہے؟''

''ہم تمہاری سرزمین کو ایک شیطان کے وجود سے پاک کرنے آئے ہیں، جس ذرا سے جھٹکے میں شہر میں قیامت برپا کر دی تھی۔''

''تمہارا اشارہ ان حادثات کی طرف ہے جو اس کالونی میں پیش آئے تھے؟''

''ہاں، وہ تمہارے ملک کے لیے انتہائی ضرر رساں شخصیت ثابت ہوگی مگر ہمارے لیے وہ ایک قیمتی ہیرے کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ ہماری سرزمین ایسے ہی ہیروں کی سرزمین ہے جو ایجادوں کی گود بھی کہلا سکتی ہے، جسے سائنس کا مرکز اور گہوارہ بھی کہا جا سکتا ہے۔''

''اور جیسے دنیا کے لیے مستقبل میں ایک عظیم خطرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔'' بالے مسکرایا۔

یہ محض تمہارا وہم ہے۔ دراصل تم لوگ ذہنی اعتبار سے بہت پیچھے ہو۔''

''ہم لوگ ذہنی پسماندگی کو ہی پسند کرتے ہیں۔ ہمیں ایسی ذہنی بلندی کی قطعی ضرورت نہیں جو سینکڑوں بے گناہوں کو پل بھر میں قیمہ اور ہڈیوں کے سرمے کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔''

''چلو ٹھیک ہے، تم جہاں رہو وہیں رہو۔ ہم تو ہر ملک کے اس ہیرے کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جو ذہنی اعتبار سے کسی طرح بھی بلند ہو۔''

''یا بالفاظ دیگر شیطان ہو۔'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''اگر ایسا ہی سمجھتے ہو تو تمہارے دارالحکومت میں بھی ایک عظیم شیطان موجود ہے۔''

''ظاہر ہے اگر وہ موجود نہ ہوتا تو آج جوزف کالونی کے بیشتر گھر سونے کیوں ہو جاتے؟''

''میں خان کا تذکرہ کر رہی ہوں۔''

''اوہ وہ، وہ تو شیطانوں کی گردنیں ناپنے کے لیے بنے ہیں۔''

''ایک بار میری بھی گردن ناپ چکے ہیں۔'' شوگانیہ ہنس پڑی۔ ''مگر تم دیکھ رہے ہو میں تمہارے سامنے اسی طرح کھڑی ہوں۔''

''موت سے پہلے تین بار ہچکی ضرور آتی ہے۔ خان صاحب سے پہلی ملاقات کو پہلی ہچکی سمجھ لو۔ ممکن ہے تیسری ہچکی کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔''

''میرے پاس وقت بہت کم ہے ورنہ تم سے بہت باتیں کرتی۔'' شوگانیہ ہنسی۔ ''کیوں کہ تم باتیں بنانے میں بہت ماہر ہو۔''

''تمہیں ہم لوگوں سے خطرہ ہے۔'' مسکرا کو بولا۔ ''اسی غرض سے تم نے مجھے جال میں پھنسوایا ہے، کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''درست ہی سہی، مگر میرے جال بچھانے کی داد نہ دو گے؟'' شوگانیہ مسکرائی۔

Akram Allahabadi

''مادام شوگانیہ، آپ کے ان تینوں کیچوؤں میں سے ایک بھی واپس نہیں آتا، اگر مجھے بنیادی شوشے کی فکر نہ ہوتی۔ ہم لوگوں نے ایسے بہت سارے بھوت دیکھے ہیں۔ اب تم میری اسکیم کی داد دو کہ کس طرح تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔''

''مجھ تک تم ویسے بھی آتے، یوں نہیں گرفتار ہو کر آتے۔''

بالے حقارت آمیز انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ شوگانیہ بولی۔

''ننھے بچے اب تمہاری نیند کا وقت ہے، جاؤ سو جاؤ۔''

''شکریہ، بس ایک سوال کا جواب دے دو، میں چلا جاؤں گا۔''

''ایک نہیں دو سوال پوچھا۔'' شوگانیہ مسکرائی۔

''کیا تم اس ہستی سے واقف ہو جس نے جوزف کالونی میں قیامت برپا کی تھی؟''

''اب سے نہیں ایک لمبے عرصے سے۔'' شوگانیہ مسکرا کر بولی۔ ''اس وقت سے جب کہ وہ صرف اس تباہ کن ایجاد کا فارمولا ہی ترتیب دے رہا تھا۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم لوگ جہاں ہیں بس وہیں تو یہ غلط ہے۔ ہمارے آدمی دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔''

''یہاں صرف جوزف ہی تھا تمہارا آدمی؟''

''ہاں، جوزف، جو مقامی مشہور لوگوں کی مصروفیات سے واقفیت رکھتا تھا، جس کے آدمی سارے شہر میں ہر شعبے میں ملیں گے اور وہ صرف کلب چلا جاتا تھا اور کلب کے مالک کی حیثیت سے جانا جاتا تھا، مگر ہمیں کسی سے غرض نہ تھی۔ ہماری طرف سے ہمارے آدمیوں کو صرف اتنا حکم ہے کہ وہ ان ہیروں کو نظر انداز نہ کریں جو سائنسی اعتبار سے کسی بھی قسم کی قابلیت رکھتے ہوں۔ جوزف بہت دنوں سے ایک دارالحکومت کے سائنس داں کی نگرانی کر رہا تھا۔ دراصل اسے اس سائنس داں کے پرسنل سکریٹری علم ہوا تھا کہ وہ سائنس داں کسی تباہ کن حربے کا فارمولا ترتیب دے رہا ہے۔ وہ پرسنل سکریٹری جوزف کو ایک اچھے شہری اور کلب اور ریستوران کے مالک کی حیثیت سے جانتا تھا۔ دونوں میں دوستانہ بھی تھا۔ پرسنل سکریٹری ایک

شریف النفس سکریٹری تھا اور اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ کوئی ایسی ایجاد عمل میں لائی جائے جو انسانیت کے لیے باعثِ تباہی ہو۔اس نے اپنا یہی خیال جوزف پر ظاہر کیا۔جوزف نے اس سے کہا کہ وہ فارمولا ایجاد ہونے دے،اس کے بعد اسے ہاتھوں ہاتھ پکڑوا دیا جائے گا۔اور پرسنل سیکریٹری کو یہ بات پسند آ گئی۔اس نے یہ بھی بتلایا تھا اس فارمولے کی فروخت کے سلسلے میں وہ سائنس داں کسی مغربی ملک سے گفت وشنید کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''جوزف کے ذریعے ساری رپورٹیں ہم تک پہنچتی رہی تھیں۔ہم مناسب ہدایات جوزف تک پہنچاتے رہے۔''

''پھر ایک روز پرسنل سکریٹری نے اطلاع دی کہ فارمولا قریب الختم ہے۔ادھر جوزف نے کچھ نروس قسم کے خیالات ظاہر کیے۔چناں چہ اس ہیرے کے حصول کے لیے مجھے اپنی سرزمین چھوڑ کر آنا پڑا۔یہاں آ کر معلوم ہوا کہ سکریٹری کی حماقت سے وہ سائنس دان کسی شک کا شکار ہو گیا تھا، چناں چہ وہ فارمولا تیار کرتے ہی روپوش ہو گیا۔پتا نہیں کس طرح سکریٹری کے ہاتھ تھوڑا سا مادہ سیال لگ گیا تھا جو اس سلسلے میں اہم ہے۔سکریٹری نے اسے جوزف کو دکھایا جوزف نے اسے حاصل کرنا چاہا مگر سکریٹری نے صاف انکار کر دیا کہ وہ ایسی شے کسی کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا جس سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔سکریٹری کے بیان کے مطابق اس سیال کا ایک قطرہ پورے شہر کا صفایا کر سکتا تھا۔

جوزف نے وہ شے زبردستی حاصل کرنا چاہی اور سکریٹری کو جوزف کی نیت پر شبہ ہوا اور وہ مقابلے پر آمادہ ہو گیا۔سکریٹری دوسری طرف اس سائنس دان کی بھی کھوج میں بھی تھا۔پتا نہیں کس طرح اسے علم ہو گیا کہ سائنس داں کہاں چھپا ہوا ہے۔وہ پولیس کو اس کی جائے پناہ سے مطلع کرنے جا رہا تھا کہ جوزف اس کے پیچھے لگ گیا۔لیکن اس کی موٹر سائیکل ایک الیکٹرک پول سے ٹکرا گئی اور وہ ختم ہو گیا۔جوزف نے سوچا کہ ممکن ہے وہ سیال اس نے اپنی رہائش گاہ پر کہیں چھپا دیا ہو،مگر ساری رہائش گاہ تلاش کرنے پر بھی وہ سیال نہیں ملا۔اور اب ہم

لوگ اس سائنس دان کی تلاش میں ہیں۔ اس کے ملتے ہی چلے جائیں گے۔"

بالے نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"اور وہ سرفراز؟"

"وہ جوزف کا ہی ایک دوست تھا۔لیڈی سرفراز بن کر تو میں صرف یہ چاہتی تھی کہ ایک پناہ گاہ میں رہوں، ورنہ تمہارے ملک میں خوب صورت عورتوں کے پیچھے دوڑنے والوں کی کمی نہیں۔جوزف سے میں یوں دور دور رہتی تھی کہ تمہارا چیف کافی عرصے سے جوزف کی نگرانی کرا رہا تھا۔پتا نہیں وہ کیوں جوزف کو مشکوک سمجھتا تھا؟"

بالے کا دل بے قابو ہوا جا رہا تھا۔اسے موٹر سائیکل سوار کی موت یاد تھی۔اور یہ بھی یاد تھا کہ اس نے خان سے فون پر صرف دو لفظ کہے تھے "لال۔برج۔لا...ل...برج۔" بالے کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔اس کا یہ مطلب ہوا کہ جہاں بھی وہ سائنس داں چھپا ہوا ہے اس جگہ کا نام لال برج ہے۔

معلومات اتنی جمع ہو گئی تھیں کہ اب وہ جلد سے جلد خان تک پہنچنا چاہتا تھا، لیکن پہنچے تو کس طرح؟"

تھوڑی دیر بعد شوگانیہ بولی۔"میرا خیال ہے اب تمہیں آرام کرنا چاہیے۔بہت کچھ سن چکے ہو۔تمہاری بہت سار ذہنی الجھنیں دور ہو چکی ہوں گی۔اور اب تمہیں بے چینی ہو گی کہ جلد سے جلد یہ معلومات خان کے کانوں تک پہنچا دو۔فکر نہ کرو، جتنی جلدی ہم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اتنی ہی جلدی تم خان تک پہنچ جاؤ گے۔"

"شکریہ۔میں ابھی خان صاحب تک جا سکتا ہوں۔" بالے نے مسکرا کر کہا۔"میں چوہا نہیں بھی نہیں ہوں کہ اس چوہے دان میں پھنس کر رہ جاؤں۔"

"اچھا۔" شوگانیہ ہنسی۔"اگر تم جا سکتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

بالے دروازے کی طرف مڑا۔مگر اسی لمحے اسے دروازے میں دو ریوالور نظر آئے۔

Akram Allahabadi

بالے ایک طویل سانس لے کر شوگانیہ کی طرف مڑا۔

''شیر کو دھمکانے کا یہ طریقہ بچکانہ ہے، کہو تو میں انھیں ریوالور چلانا سکھا دوں؟''

''اگر تم سکھا سکے تو مجھے خوشی ہوگی۔'' شوگانیہ ہنس کر بولی۔

بالے نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر چکرا کر رہ گیا، کیوں کہ اس کا ریوالور اس کی جیب میں نہیں تھا۔ غالباً اس وقت پار کیا گیا تھا جبکہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں پر سوار ہو کر آ رہا تھا۔ بالے نے ایک اور طویل سانس لی اور بولا۔ ''یہ بزدلی کی انتہا ہے کہ کسی کو غیر مسلح کر کے ریوالوروں سے دھمکایا جائے۔ کم از کم میں شوگانیہ جیسی عظیم ہستی کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔''

''مکھن لگا رہے ہو۔'' شوگانیہ ہنس کر بولی۔ ''لیکن فکر نہ کرو، شوگانیہ اس وقت چڑھائے میں نہیں آئے گی۔ ہم لوگ ہنگامہ پسند نہیں کرتے، نہ ہی بلاوجہ کے کشت وخون سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہم تو اپنے کام کے لیے آئے ہیں۔ کام کر کے خاموشی سے ہی واپس چلے جانا چاہتے ہیں۔ بلاوجہ کا شور وشر پھیلا کر کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہمارے اصولوں کے خلاف ہے، کیوں کہ ہم امن کے حامی ہیں۔''

''اخاہ۔'' بالے ہنسا۔ ''اگر آپ امن کی حامی ہیں تو ذرا بتلایے کہ امن کے دشمن کون ہیں؟''

''وہی جو ایجادات کو غلط طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔'' شوگانیہ بولی۔ ''ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ کسی کو خواہ مخواہ دباؤ ڈال کر کسی بات پر مجبور کریں یا ان کی ایجادات سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر ہم ایسی نیت رکھتے ہوتے تو ڈاکٹر ضرغام کا بنایا ہوا سورج ہی تمہارے ملک کو ایک گھنٹے کے اندر اندر جلا کر خاک وسیاہ کر دیتا۔''

''ہمیں بچہ نہ سمجھو۔'' بالے مسکرایا۔ ''ہم جانتے ہیں کہ تمہاری دنیا کا مقصد محض دنیا پر حکومت کرنا ہے اور تم لوگ یہی سوچتے ہو کہ اگر اسی طرح سارے ملک پھونک کر رکھ دیے جائیں تو دنیا پر حکومت کا خیال ہی حماقت انگیز رہ جاتا ہے۔ دنیا محض خاک اور پانی کے مجموعے

کو نہیں کہتے۔ دنیا وہ کہلاتی ہے جس پر سانسیں لینے والے مہذب انسان ہوں۔"

"تم اب پہلے سے کافی ذہین ہو گئے ہو۔" شوگانیہ ہنس کر بولی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ تم لطیفے سنانے اور رمبا ناچنے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔"

"میں کوئک سٹیپ بھی ناچ سکتا ہوں اور والز بھی، آؤ۔" بالے نے دونوں ہاتھ بڑھائے۔"

"ننھے بچے، اپنی نیند نہ خراب کرو، جاؤ اب سو جاؤ۔"

"بس ایک روؤنڈ۔" بالے نے کسی ندیدے بچے کی طرح کہا جو صرف ایک جلیبی مانگ رہا ہو۔

"شوگانیہ ہنستی ہوئی اس کے بازوؤں میں آ گئی اور پھر چار پاؤں فرش پر تھرکنے لگے۔ شوگانیہ کے وہ ساتھی جو بالے کو ریوالور سے کور کیے ہوئے تھے، تحیر زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ناچتے ناچتے دفعتاً بالے نے شوگانیہ کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے مضبوطی سے پکڑ لیے اور دیوار سے لگ کر شوگانیہ کو آگے کر لیا اور بولا۔

"مادام شوگانیہ، اپنے آدمیوں سے کہو کہ ریوالور میری طرف اچھال دیں۔" یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ شوگانیہ کو سنبھلنے کا موقعہ بھی نہ مل سکا تھا، نہ ہی اس کے ساتھی سمجھ پائے تھے۔ دفعتاً شوگانیہ ہنس کر بولی۔

"ننھے شریر، ایسی حماقت نہ کرو کہ تمہاری جان جائے۔ اس بار میں تمہارے ملک میں خون کرنا پسند نہیں کرتی۔"

"چلو، جلدی اپنے ساتھیوں سے کہو۔" بالے اس کے ہاتھ کس کر بولا۔

شوگانیہ پھر بھی ہنستی ہی رہی۔ مگر دوسرے ہی لمحے بالے نے شوگانیہ کو اس طرح آگے دھکیلا جیسے اگر وہ ایک لمحہ اور بالے سے لگی رہی تو وہ جل بھن کر خاک ہو جائے گا۔ اس

Akram Allahabadi

کے پیٹ میں کوئی چیز سوئی کی طرح چبھی تھی اور پھر اس کے سارے جسم میں اس طرح آگ دوڑ گئی تھی جیسے اسے کسی برقی قوت رکھنے والے سیال کا انجکشن دے دیا گیا ہو۔

پھر وہ زمین پر گرا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اسے اپنے سارے جسم میں برقی لہریں سی ادھر ادھر دوڑتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں اور شوگانیہ اس کے نزدیک ہی کھڑی ہوئی قہقہے لگا رہی تھی۔

قریب قریب دو منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ بالے اس طرح زمین پر پڑا مچلتا رہا۔ دو منٹ کے بعد اسے بالکل ایسا لگا جیسے ایک دم جسم سے کوئی برقی لہر پار ہو گئی ہو اور تیسرے منٹ میں وہ کھڑا ہوا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اسے اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کافی دور چلنے کے بعد ایک گرم گرم پیالی چائے پی کر تازہ دم ہو گیا ہو۔

"دیکھا تم نے؟" شوگانیہ ہنس کر بولی۔ "تم لوگ ہمارے سامنے کس طرح مجبور ہو سکتے ہو۔ اگر میں چاہتی تو اس طرح تم ہاتھ پاؤں رگڑتے رگڑتے ختم ہو جاتے، مگر ہم لوگ بلا وجہ گشت وخون اب پسند نہیں کرتے۔ تمہیں اس وقت تک ہماری قید میں رہنا ہوگا جب تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائیں۔"

بالے کچھ نہ بولا۔ وہ صرف متحیر انداز میں شوگانیہ کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ شوگانیہ کے ساتھی اب بھی ریوالور تانے دروازے میں موجود تھے۔ شوگانیہ ان کی طرف مڑ کر بولی۔

"ہمارے مہمان کو اسی لومڑی کے پنجرے میں پہنچا دو۔"

بالے جانتا تھا کہ وہ لومڑی صوفیہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ ریوالور والے حرکت بھی نہ کر پائے تھے کہ کال بیل کی ٹرن ٹرن گونج اٹھی۔ شوگانیہ نے گردن سے اشارہ کیا۔ بالے رکا رہا۔ وہ دونوں ریوالور والے واپس چلے گئے تھے۔ بالے نے ایک طویل سانس لی اور جیب میں سگریٹ پیپر کا پیکٹ اور تمباکو پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

چند لمحے بعد کمرے میں دو ایسے آدمی لائے گئے جنہیں دیکھ کر بالے اتنی بری طرح

اچھلا جیسے یک بیک انگارے پر پیر پڑ گیا ہو۔اس کے سامنے شرما کھڑا تھا اور دوسرا آدمی، بالے نے اس کی خدوخال سے پہچانا تھا، اگر اس کے چہرے پر ڈاڑھی اور سر پر گھنے بال ہوتے تو وہ سو فی صدی چوکی دار ہی تھا۔

وہ دونوں بھی بالے کو دیکھ کر چونکے تھے۔بالے نے پرسکون انداز میں سگریٹ سلگائی۔شوگانیہ کے ساتھی کہہ رہے تھے۔

''مادام، یہ شکار بڑی مشکل سے ہاتھ لگے ہیں ان سے پروفیسر کا پتا معلوم ہوسکتا ہے۔''

اوہ، گڈ۔''شوگانیہ مسکرائی۔پھر بالے کی طرف دیکھ کر بولی۔''ہمیں افسوس ہے کہ ہن اپنے نجی قسم کے معاملات میں دوسروں کی موجودگی پسند نہیں کرتے۔ویسے اب تمہیں نیند بھی آرہی ہوگی۔''

''نیند۔''بالے نے طویل جماہی لی اور منہ پر ہاتھ مار کر بولا۔''ہاں، آتو رہی ہے۔''

''مہمان کو پنجرے میں پہنچا دو۔''شوگانیہ نے اپنے پہلے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ پھر وہ لوگ دروازے کی طرف مڑے ہی تھے کہ ان کے ہاتھوں سے ریوالور نکل گئے اور پیشانی پر پڑنے والے گھونسے انھیں زمین پر لے آئے۔پھر بالے نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا کیوں کہ دروازے میں خان، واجد کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اور ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

شوگانیہ کے باقی دونوں ساتھی، جو شرما اور چوکی دار کو لے کر آئے تھے، غیر مسلح تھے یا مسلح بھی ہوں گے تو ان کے ریوالور جیبوں میں ہوں گے۔چناں چہ وہ کوئی مداخلت نہ کر سکے۔گرے ہوئے آدمیوں کے ریوالور بھی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

(۲)

کال بوتھ نمبر ۱۳ سے بالے کا فون رسیو کرنے کے بعد خان نے رسیور رکھ کر ایک

طویل سانس لی۔لیکن رسیور رکھے ہوئے ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی۔اس نے رسیور اٹھالیا۔

''ہیلو،خان اسپیکنگ۔''

''ہیلو جناب، میں فرزانہ بول رہی ہوں۔''

''اوہ،کہو کیا بات ہے؟''

''جناب،اس شخص کو چند نامعلوم آدمیوں نے پکڑ لیا تھا۔''

''پھر؟''خان مضطربانہ انداز میں بولا۔

''وہ اسے ڈال کر جوزف کولونی کی طرف لے گئے ہیں۔''فرزانہ نے کہا۔''ابھی ابھی گاڑی گئی ہے۔میں نے سوچا کہ پہلے آپ کو مطلع کردوں۔اب میں بھی ان کے پیچھے جارہی ہو۔مجھے یقین ہے کہ میں انھیں جالوں گی۔''

پھر فوراً ہی ڈسکنکٹ ہوگیا۔خان کی آنکھوں میں چمک لہرا رہی تھی۔اور اس چمک میں ایک طرح کا جوش چھپا ہوا تھا، جیسے اس کی منزل مقصود قریب آتی جارہی ہو۔وہ اٹھ کر فوراً لباس تبدیل کرنے لگا۔مگر ابھی وہ کوٹ ہی پہن رہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔اس نے رسیور اٹھالیا۔

''ہیلو،خان اسپیکنگ۔''

''خان صاحب، میں واجد بول رہا ہوں۔چوکی دار کے گھر میں چند نامعلوم لوگ گھس آئے تھے۔وہ لوگ اسے اٹھا کر لے جارہے ہیں۔ان کی منزل دور نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ وہ پیدل ہی چل رہے ہیں۔میں ان کے پیچھے جارہا ہوں۔آپ کے حکم کے مطابق ہر خصوصی بات کی اطلاع ضروری ہوتی ہے،لہٰذا میں نے اطلاع دے دی ہے۔''

پھر ڈسکنکٹ ہوگیا۔خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔اس مسکراہٹ میں بڑی آسودگی تھی۔وہ جو چاہ رہا تھا وہی اب تک ہورہا تھا۔اس کا بچھایا ہوا جال رفتہ رفتہ کامیابی کی

طرف اس کے قدم لے جا رہا تھا۔اس نے رسٹ واچ دیکھی۔سوفیہ سے آخری بار رپورٹ ملے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔

وہ فوراً اس کمرے میں آیا، جس میں کئی طرح کے ٹرانسمیٹر رکھے ہوئے تھے۔اس نے صوفیہ کو محدود حیطۂ عمل کا ٹرانسمیٹر دے رکھا تھا۔صوفیہ کو ٹرانسمیٹر دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے صوفیہ کو جس عورت کے پیچھے لگایا تھا اس کے بارے میں اسے نہ جانے کیوں یقین سا تھا کہ وہ فیروزہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔وہ یقیناً شوگانیہ ہے، ڈاکٹر گارٹلر کا داہنا بازو شوگانیہ۔کیوں کہ شوگانیہ کا قہقہہ وہ زندگی کے کسی حصے میں نہیں بھول سکتا تھا۔

اس نے شوگانیہ ہی کے دھوکے میں صوفیہ کو فیروزہ کے پیچھے لگایا تھا۔اور پھر بعد کی فیروزہ کی بیشتر حرکات سے اس کے شکوک پختہ ہوتے چلے گئے تھے۔چناں چہ آج ہی صبح اس نے صوفیہ کو ٹرانسمیٹر دیا تھا۔اسے اندیشہ تھا کہ شوگانیہ کی نگانی میں صوفیہ غیر معمولی حالات کا شکار بھی ہو سکتی ہے اور اس کے بعد پھر فون پر رابطہ قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چناں چہ کم از کم وہ ٹرانسمیٹر پر رابطہ تو قائم کر سکے گی جن کا شکار وہ ہو گئی ہو گی، ان حالات سے خان کو باخبر بھی کر سکے گی۔

اس نے رسیونگ سیٹ کا سوئچ آن کیا اور ایک ماؤتھ پیس نما حصے پر جھک کر بولا۔

''ہیلو، صوفیہ خانم...خان اسپیکنگ....ہیلو، صوفیہ خانم...خان اسپیکنگ۔''

''صوفیہ اٹنڈنگ، سر...صوفیہ اٹنڈنگ، سر۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوہ، صوفیہ، کوئی غیر معمولی بات؟''

''جناب، سب سے بڑی غیر معمولی بات یہ ہے کہ میں عمارت کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید ہوں۔''

''کیا مطلب...؟'' خان چونک پڑا۔

''جناب، یہ لوگ تو کسی بہت ہی عظیم اور غیر معمولی گروہ کے افراد معلوم ہوتے

ہیں۔انھیں پتا ہے کہ میں کب سے فیروزہ کا تعاقب کر رہی ہو۔یہ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ مجھے آپ نے ہی فیروزہ کے پیچھے لگایا ہے۔یہ کہہ رہے تھے کہ وہ لوگ غیر ضروری گشت وخون سے احتراز کرتے ہیں۔ہمارے ملک میں کسی خاص کام سے داخل ہوئے ہیں۔کام کر کے چپ چاپ نکل جائیں گے،تب تک مجھے ان کی قید میں ہی رہنا پڑے گا۔"

"ویسے تم جوزف کالونی کی اسی عمارت 'جوزف کلب' میں ہو؟" خان نے پوچھا۔

"جی ہاں، جناب۔ہاں ایک بات اور۔یہاں میں نے ابھی ابھی جوزف کے ہم شکل تین افراد دیکھے تھے، میں تہہ خانے کے ایک کمرے میں مقید ہوں۔دوسرے کمرے میں وہ لوگ آئے تھے۔ان تینوں نے اپنا میک اپ اتارا تھا اور ان میں جس قسم کی گفتگو ہوئی تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بالے کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔غالباً اس وقت بالے بھی ان ہی لوگوں کی قید میں ہے۔"

"اوہ،خیر تم بے فکر رہو۔اوور اینڈ آل۔"

خان نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔اس کی آنکھوں میں اب ایک غیر معمولی چمک لہرا رہی تھی۔اسے یقین تھا کہ فیروزہ پر کیا ہوا اس کا شبہ،سوفی صدی درست تھا،وہ فیروزہ نہیں۔سوفی صدی شوگانیہ ہے۔حالات صاف یہی ظاہر کر رہے تھے کہ وہ شوگانیہ ہے۔

چند ہی لمحوں بعد اس کی فریگیٹ برق رفتاری کے ساتھ جوزف کالونی کی طرف دوڑ رہی تھی۔جوزف کالونی تک کا راستہ پلک جھپکتے ہوئے طے گیا۔پھر اس نے فریگیٹ کو ایک تاری گلی میں موڑ دیا۔گر گلی میں مڑتے ہی وہ چونک پڑا۔وہ نیلی آسٹن اس نے ایک کال بوتھ کے سامنے دیکھی،جس میں بالے کوٹھی سے چلا تھا،اور وہ سوفی صدی کال بوتھ نمبر ۱۳ ہی تھا۔

خان نے ایک طویل سانس لی اور فریگیٹ کو اسی گلی میں چھوڑ دیا۔پھر وہاں سے آگے بڑھا۔مختلف گلیوں سے گزرتا ہوا وہ جوزف کلب کے نزدیک پہنچ گیا۔واجد اور فرزانہ کی اطلاعات سے زیادہ اسے صوفیہ کی فکر تھی۔چناں چہ وہ صوفیہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔لہٰذا اس نے

جوزف کلب کی پشت سے داخل ہونا زیادہ مناسب سمجھا۔

لیکن ابھی وہ عمارت میں داخل ہی ہوا تھا کہ اس نے دو آدمیوں پر ایک آدمی کو لدا ہوا آتے دیکھا۔ وہ عمارت کی پشت پر باغیچہ کی ایک باڑھ کے عقب میں چھپ گیا۔ اس کے سامنے وہ لوگ کسی شخص کو لے کر برآمدے میں چلے گئے۔ چند ہی لمحے بعد ایک سایہ اور عمارت میں داخل ہوا اور اس کے انداز خرام سے خان نے اندازہ لگایا کہ وہ واجد ہے۔ خان نے بہت ہی دھیمے سروں میں سیٹی بجائی اور واجد نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ خان سیٹی بجاتا رہا اور واجد سمت کا تعین کر کے اس کے قریب چلا گیا۔

''آپ اتنی جلدی یہاں پہنچ گئے؟'' واجد متحیر لہجے میں بولا۔ ''مگر آپ کو یہ کیسے پتا چلا کہ چوکی دار اسی عمارت میں لایا جائے گا؟''

''میں اس خیال سے یہاں نہیں آیا تھا کہ چوکی دار یہاں لایا جائے گا۔ یہ بات تو بس اتفاقاً سامنے آ گئی۔'' خان بولا۔

''اوہ، پھر آپ کی یہاں موجودگی؟''

''میں یہاں صوفیہ کی فکر میں آیا ہوں۔ وہ اس عمارت کے ایک تہہ خانے میں مقید ہے۔''

''اوہ۔'' واجد متحیر انداز میں ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔ ''لیکن وہ یہاں آئی کیسے؟''

خان کوئی جواب نہ دینے پایا تھا کہ ایک گاڑی عمارت کے عقبی پھاٹک کے نزدیک آ کر رکی۔ خان نے واجد کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر گاڑی کی مشین بند کی گئی۔ پھر کھڑکیاں کھلنے کی آواز آئی اور چند ہی لمحے بعد دو آدمی کسی کو لیے ہوئے داخل ہوئے، وہ شخص بھی ان کے ہاتھوں پر ہی لدا ہوا تھا۔

''اوہ۔'' واجد متحیر انداز میں بڑبڑایا۔ ''کیا آج سارا شہر جمع کریں گے یہ لوگ؟''

''غالباً یہ شرما ہے۔ فرزانہ بھی قریب ہی ہوگی۔'' خان بڑبڑایا۔

Akram Allahabadi

''کیا اس کی بھی آپ نگرانی کرا رہے تھے؟''

''ہاں، دیکھتے رہو۔ آج ہمارے لیے یہ عمارت بہت زیادہ اہم ثابت ہوگی۔ یہاں ان دونوں قیدیوں کے علاوہ بالے اور صوفیہ بھی ملیں گے۔''

''اوہ، بالے صاحب بھی؟'' واجد چونک پڑا۔

''ہاں، مگر چلو، اب ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے۔''

وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ غالباً خان نے کسی وجہ سے فرزانہ کا انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا وہ لوگ رینگتے ہوئے برآمدے میں پہنچ گئے۔ برآمدہ سنسان اور تاریک تھا پڑا تھا۔ البتہ اندرونی عمارت میں روشنی تھی۔ برآمدے میں کھلنے والا دروازہ صرف بھڑا ہوا تھا۔

خان نے آہستگی سے دروازے پر ہاتھ رکھا اور اس کے دونوں پٹ آسانی سے کھل گئے۔ وہ لوگ چپ چاپ اندر داخل ہو گئے۔ عمارت سنسان نہیں تھی۔ مگر عمارت کے جس حصے میں وہ لوگ تھے وہ حصہ ضرور سنسان پڑا تھا۔

خان نے واجد کا ہاتھ تھاما اور گولائی میں بنے ہوئے زینے طے کرنے لگا۔ جوزف کلب کی عمارت بڑی شان دار بنی ہوئی تھی۔ زینوں کے اختتام پر ایک گیلری بنی تھی، جس میں کمروں کی قطاریں تھیں۔ ان کمروں کے دوسری سمت میں جو گیلری تھی، وہ جوزف کلب کے ریکریشن ہال کے سامنے پڑتی تھی۔

خان اور واجد بڑی آسانی کے ساتھ زینے طے کر گئے۔ مگر زینوں کے اختتام پر قدم رکھتے ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے دو آدمی نکلے۔ خان اور واجد بڑی تیزی سے ایک ستون کے پیچھے چھپ گئے۔ واجد چونک کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''ارے، یہ وہی ہیں جو چوکی دار کو اٹھا کر لائے تھے۔''

''اوہ، شش۔'' خان نے کہا۔

پھر جوں ہی وہ دونوں قریب سے گزرنے لگے، خان اور واجد ان دونوں پر ایک

ساتھ ہی ٹوٹ پڑے۔ایک ایک ہاتھ سے ان لگوں کا منہ دبا رکھا تھا، دوسرے ہاتھ سے گردن دبا رہے تھے۔پھر وہ لوگ بنا آواز کیے ہوئے ان کے بازوؤں میں ڈھیلے ہو گئے۔خان اور واجد نے انھیں گھسیٹ کر ستون کی آڑ میں کیا اور اسی دروازے کی طرف بڑھے جس سے وہ دونوں آدمی نکلے تھے۔

خان نے دروازے میں جھانکا اور چونک پڑا۔اس نے اندر فیروزہ، بالے اور چوکی دار اور شرما کے علاوہ چار آدمیوں کو اور دیکھا جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور وہ لوگ دروازے کے نزدیک ہی تھے پھر وہ لوگ فیروزہ کے حکم پر دروازے کی طرف گھومے۔

خان نے واجد کو اشارہ کیا پھر دروازہ کھلتے ہی خان اور واجد کے بائیں ہاتھ ان لوگوں کے ریوالوروں پر پڑے اور دائیں ہاتھوں کے گھونسے پیشانیوں پر۔وہ لوگ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے، ان کے ریوالورز مین پر گرے تھے، مگر اسی دوران میں خان اور واجد کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آرہے تھے اور دوسرے ہی لمحے بالے نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

مگر بالے کے خاموش ہوتے ہی فیروزہ ہنس پڑی اور خان نے ایک طویل سانس لی۔

''میں نے تمھیں ہوٹل میگوین میں ہی پہچان لیا تھا شوگانیہ۔''

''مجھے علم ہے۔''شوگانیہ مسکرائی۔

''اب تم اس سرزمین سے واپس نہ جاسکو گی۔''خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں جارہی ہوں۔''شوگانیہ مسکرا کر بولی۔''مگر اس سرزمین سے اپنے مقصد کے حصول تک نہیں جاسکوں گی۔ویسے میں پھر اعتراف کرتی ہوں کہ اس ملک کی تم واحد شخصیت ہو جو مجھے ہمیشہ یاد رہو گے۔''

شوگانیہ کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی دفعتاً کمرے میں تاریکی ہو گئی، شاید مین سوئچ آف کر دیا گیا تھا۔خان چیخ کر بولا۔''خبردار، کسی نے اپنی جگہ سے جنبش کی تو گولی مار دوں

گا۔"

ایک سمت میں کچھ آہٹ ہوئی، خان نے بے دریغ فائر کر دیا۔ ایک طویل چیخ گونجی، مگر وہ چیخ نسوانی نہیں تھی۔ پھر سناٹا چھا گیا، مگر روشنی ہونے میں آدھ منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ مگر اس نصف منٹ میں ہی وہاں کا نقشہ بدل گیا تھا۔ چوکی دار اور شرما زمین پر چت بے حس و حرکت پڑے تھے۔ ان کی پتلیاں غیر متحرک تھیں۔ ایک شوگانیہ کا آدمی زخمی حالت میں پڑا تھا، جو خان کی گولی کا شکار ہو گیا تھا۔ باقی تین غائب تھے۔ شوگانیہ بھی غائب تھی۔ بالے اسی جگہ کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے خان دروازے سے نکل کر پوری عمارت میں چکراتا پھر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فرزانہ بھی پہنچ گئی۔ پھر خان، بالے، واجد، فرزانہ اور صوفیہ نے مل کر ساری عمارت چھان ماری، مگر شوگانیہ اور اس کے ساتھیوں کا پتا نہیں چلا۔ خان نے صوفیہ کو اسی وقت تہہ خانے سے نکال لیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہوا میں تحلیل ہو گئے ہوں، یا عمارت کی کسی دیوار میں ہی سما کر رہ گئے ہوں خان کے لیے یہ شکست بڑی جھنجلا دینے والی ثابت ہوئی تھی۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اسے اس طرح زک اٹھانا پڑے گی۔

بہر حال وہ لوگ جوزف کلب سے ناکام و نامراد واپس ہوئے۔ قریبی تھانے سے خان نے دو کانسٹیبلوں کو بلا کر عمارت پر پہرہ لگوا دیا تھا، مگر وہ شوگانیہ کے ساتھی کو ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ اس نے اسے پولیس اسٹیشن نہیں پہنچایا تھا، بلکہ اپنے ساتھ اپنی کوٹھی لے آیا تھا۔ چوکی دار اور شرما کی لاشیں پولیس اسٹیشن پہنچا دی گئی تھیں۔

واجد، صوفیہ اور فرزانہ کو اس نے راستے سے رخصت کر دیا تھا۔ کوٹھی پہنچتے پہنچتے بالے کی زبان کی کھجلی اینٹھن میں تبدیل ہو گئی۔ اسے شوگانیہ کے ذریعے جو اطلاعات ملی تھیں، وہ جلد سے جلد خان کے کانوں تک پہنچا دینا چاہتا تھا، مگر خان کا موڈ دیکھ کر اسے چھیڑ دینے کی

ہمت نہیں پڑ رہی تھی ۔دراصل وہ بھی اسی طرح خان کو چھیڑ چھیڑ کر اور مزے لے لے کر سب کچھ بتلانا چاہتا تھا، جس طرح بعض اوقات خان اسے بور کرتا تھا۔

کوٹھی پہنچ کر فرنیگیٹ پورٹیکو میں روک دی گئی۔چند ملازموں کی مدد سے شوگانیہ کے زخمی ساتھی کو خان کی کوٹھی کے تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔شوگانیہ کا ساتھی بے ہوش نہیں تھا، ہوش میں تھا۔لیکن اس نے اپنی رہائی کے لیے ایک بار بھی مدافعت نہیں کی تھی۔اس کے چہرے پر تحیر کے آثار یا تکلیف کے آثار نمایاں نہیں تھے، بس وہ خاموش تھا۔اس کے ہونٹ اتنے مضبوطی سے بند تھے جیسے اس نے تمام زندگی خاموش رہنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

تہہ خانے میں پہنچ کر خان نے اس کے پاؤں میں بینڈیج کرا دی۔وہ خاموشی سے بیٹھا ہوا بینڈیج کراتا رہا۔بالکل اسی انداز میں جیسے وہ زخمی حالت میں ہسپتال لایا گیا ہو۔بالے کو اس کے اطمینان پر اتنا تاؤ آیا کہ وہ بگڑ ہی گیا۔

''ابے، تم ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوتے؟''

لیکن شوگانیہ کا ساتھی جواب دینے یا مسکرانے کی بجائے متحیرانہ انداز میں بالے کی طرف دیکھنے گا۔خان نے بالے سے کہا۔

''یہ تمہاری زبان نہیں سمجھ سکتا۔''

''کیا مطلب؟'' بالے چونک کر بولا۔

''یہ مغربی ملک کے کسی دیہات کا باشندہ ہے۔''

''مگر اس کے خدوخال تو خالص ملکی معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیا تمہیں شوگانیہ فیروزہ نظر نہیں آتی؟'' خان مسکرایا۔

''اوہ، یعنی میک اپ؟''

''پلاسٹک سرجری۔'' خان بولا۔''میک اپ نہیں۔شوگانیہ اور ڈاکٹر گارٹلر بہت زیادہ دور اندیش ہیں۔ہمارے ملک میں جن لوگوں کو معاون بلا کر لایا گیا ہے ان سب کے

پلاسٹک سرجری سے خدوخال میں ہندوستانیت بھردی گئی تھی، تاکہ یہ لوگ آسانی سے کام کرسکیں اور پکڑے جائیں تو ہندوستانی ہی ثابت ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سزا مل جائے گی۔ ویسے اب یہ خود کو گونگا بہرہ ظاہر کرے گا۔''

''ہوں۔'' بالے نے ایک طویل سانس لی۔ ''مگر آپ نے کس طرح اندازہ لگایا ان سب باتوں کا؟''

''اس کے سر کی بناوٹ اور بالوں کی رنگت سے۔ پلاسٹک سرجری سے چہرے کے خدوخال بدلے جاسکتے ہیں، بال اور سر نہیں بدلا جاسکتا۔ اس کے لیے وگ ضروری ہوتا ہے۔ اس کے سر پر وگ تھا جو اندھیرے میں اتار لیا گیا۔ اتنی جلدی میں اسے نہیں لے جاسکے وہ لوگ۔ لہٰذا وگ لے لی تاکہ وگ سے کسی قسم کا شبہ نہ ہوجائے۔ بالوں کی رنگت اور سر کی بناوٹ کے بارے میں تو سوچا ہوگا کہ ایک دفعہ کو نظر انداز بھی ہوسکتی ہے، مگر وگ سر سے اتری تو بالوں کی رنگت اور سر کی بناوٹ کی طرف خصوصیت سے نظر جاتی۔''

''اور گونگے بہرے والی بات؟''

''تم بات کرکے دیکھ لو۔'' اس کے تحیر ظاہر کرنے کا انداز گونگوں اور بہروں سے مختلف نہیں تھا۔''

''مگر میں نہیں جانتا کہ یہ کس زبان میں گفتگو کرسکتا ہے؟''

''ٹھہرو، میں بات کرتا ہوں۔''

خان نے شوگانیہ کے ساتھی کو مخاطب کرکے کسی ایسی زبان میں کچھ کہا جو بالے کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ شوگانیہ کے ساتھی نے پھر اسی انداز میں اس کی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔ خان ذرا زور سے بولا تو اس نے اپنی زبان نکال کر خان کے سامنے کردی اور ہاتھ کے اشارے سے منفی انداز میں گردن کو جنبش دی۔

''سن لیا۔'' بالے کی طرف دیکھ کر خان مسکرایا۔

Akram Allahabadi

''دیکھ لیا۔'' بالے نے ایک طویل سانس لی۔

وہ لوگ تہہ خانے سے نکل آئے۔ زینوں پر بالے نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ شوگانیہ کا ساتھی اتنے اطمینان سے صوفے پر لیٹ رہا تھا جیسے وہ خان کا خاص الخاص مہمان ہو۔ بالے کے آگ ہی تو لگ گئی۔

''اُلو کا پٹھا۔ باپ کا گھر سمجھ رہا ہے۔''

''اگر تمہارا گھر ہوتا تو الو کا پٹھا بھی ہو سکتا تھا اور تم اس کے باپ بھی۔'' خان ہنس کر بولا۔

''ارے باپ رے۔'' بالے اپنے کہے ہوئے جملے کے معنی پر غور کر کے منہ پیٹنے لگا۔

''غالباً تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟'' خان نے باہر آ کر اپنے کمرے میں پہنچ کر کہا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' بالے نے نخرے کی پہلی توپ پھینکی۔

''تمہاری مرضی۔'' خان لاپروائی سے بولا۔ ''ویسے میں نے گاڑی میں تمہیں مضطربانہ انداز میں پہلو پر پہلو بدلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی غرض سے میں نے پوچھا تھا۔

''وہ تو میرے پیٹ میں درد تھا۔''

''تب جاؤ، چورن کھاؤ اور سو جاؤ۔'' خان نے ایک طویل سانس لی۔ ''مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔''

بالے نے سوچا کہ اب پگھل ہی جانا چاہیے، ورنہ ساری رات بستر پر کروٹیں ہی تبدیل کرتے کرتے گزر جائے گی۔ چناں چہ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میں تو اس لیے بات کو گول کر رہا تھا کہ ایسی کون سی بات ہے جو آپ سے چھپی رہتی ہے؟''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' خان مسکرایا۔ ''اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شوگانیہ ایک ایسے سائس داں کے چکر میں ہمارے ملک میں داخل ہوئی ہے جس نے صرف ایک ہی جھٹکے میں

جوزف کالونی میں قیامت برپا کر دی تھی، تو پھر تمہاری معلومات فضول ہیں۔"

"ہوں۔ تب آپ یہ جانتے ہوں گے کہ جوزف شوگانیہ کا ایجنٹ تھا۔" بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور کچھ؟" خان مسکرایا۔

"اور یہ کہ یہ تباہ کن ایجاد کرنے والے پروفیسر کے بارے میں جوزف نے ہی شوگانیہ تک الاعات پہنچائی تھیں۔"

"اور کچھ؟"

"اور یہ کہ پروفیسر کا پرسنل سکریٹری جوزف کا دوست تھا۔ جو شریف آدمی تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ یہ حربہ دنیا میں تباہی پھیلائے۔ مگر جوزف کی غداری کا علم اسے بعد کو ہوا، جب وہ تیار شدہ فارمولا جوزف دیکھ چکا تھا اور جوف اس سے وہ حربہ چھیننا چاہتا تھا۔ اور جوزف نے اس کا تعاقب کیا۔" خان مسکرایا۔ "مگر اس طوفانی رات میں سکریٹری کی موٹر بائیک پول سے ٹکرا گئی۔ سکریٹری ختم ہو گیا اور حربہ اس کی جیب میں رہ گیا۔"

"اور کچھ؟"

"اور کچھ میرا سر۔" بالے جھنجلا گیا۔ "جب سب کچھ آپ کو معلوم ہی ہوتا ہے تو آپ خواہ مخواہ ہر کیس کو اتنا طویل ہی کیوں کر دیتے ہیں؟"

"یہ ہوتے ہیں ٹیکنکس۔" خان مسکرایا۔ "برخوردار، مجھے اس عوت پر شوگانیہ کا دھوکہ ہوا تھا جو فیروزہ بن کر ہوٹل میگوین میں آئی تھی، مگر مجھے یقین تھا کہ میرے کان دھوکہ نہیں کھا سکتے۔ شوگانیہ کا قہقہہ لاکھوں میں پہچانا جا سکتا ہے۔ چناں چہ میں نے ان کے پیچھے صوفیہ کو لگا دیا تھا۔ پھر اچانک وہ عجیب حادثات ہوئے اور فیروزہ کی عجیب عجیب حرکات اور پھر آج جب کہ شوگانیہ کے آدمی چوکی دار اور شرما کو پکڑ کر لا رہے تھے اور میں ان کے ذریعے وہاں تک پہنچ گیا تھا تب میں شوگانیہ کی آواز پہچان کر یقین کیا تھا وہ شوگانیہ ہی ہے۔ دراصل فیروزہ پر

مجھے شوگانیہ کا گمان ہوا تھا۔اس کی نگرانی ہو رہی تھی۔پھر دفعتاً وہ عجیب حادثات ہوئے تب میرے ذہن میں یہ خیال گیا کہ فیروزہ اگر شوگانیہ ہے تو وہ یقیناً اسی حربہ کے چکر میں یہاں آئی ہے۔اس حربے اور اس کے موجد کے بارے میں کیسے علم ہوا۔یہ بعد کو سوچنے کی بات تھی۔بس میں نے اسی غرض سے شرما اور چوکی دار کو چھوڑ دیا تھا۔اگر شرما اور چوکی دار کے ذریعے اس حربے کے موجد تک پہنچنا ہی مقصود ہوتا تو ہماری نجی قیدان سے سب کچھ قبول کرا سکتی تھی۔میں تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ فیروزہ شوگانیہ ہی ہے یا میرا وہم ہے۔میرا وہم حقیقت ثابت ہوا اور چوکی دار اور شرما ہی کے ذریعے میں شوگانیہ تک پہنچا۔رہ گئیں بعد کی باتیں تو میں ان سے قطعی لاعلم تھا۔میں نہیں جانتا وہ جوزف شوگانیہ کا ایجنٹ تھا۔بلکہ جوزف کی موت کے بعد میں یہ سمجھ رہا تھا کہ جوزف شوگانیہ کے مخالفین میں سے اور پروفیسر کا ساتھی ہے۔اس خیال کے لیے وہ دلیل مضبوطی کا باعث تھی جو پہلی بار ڈریم نائٹ کلب میں حادثہ ہوا تھا اور وہاں ریفریجریٹر روم میں جوزف ہی جاتا دیکھا گیا تھا۔لیکن یہ تمہاری ہی زبانی معلوم ہوا کہ جوزف شوگانیہ کا ایجنٹ تھا اور سکریٹری کی داستان بھی تمہاری ہی معلومات کا نتیجہ ہے اور یہ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ سکریٹری کے تعاقب میں جوزف ہی تھا۔ویسے جوزف کے بھوتوں کے میک اپ کے بارے میں مجھے صوفیہ نے ٹرانسمیٹر پر بتلایا تھا۔تو میں یہ سمجھا کہ جوزف کے بھوت تمہیں ہی پھنسانے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔''

''ہوں۔'' بالے نے ایک بہت طویل سانس لی اور کان کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔چند لمحے بعد بولا۔''مگر ڈریم نائٹ کلب والے حادثاتے میں اگر جوزف کا ہاتھ نہیں تھا تو کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے، جب کہ وہاں صرف وہی حادثہ ہوا۔اگر کئی حادثے ہوتے تو یہ بھی سمجھا جا سکتا تھا کہ اس علاقے کی ٹنکی استعمال کی گئی ہے۔اور پھر جوزف تو ریفریجریٹر روم میں سے نکلتا بھی دیکھا گیا تھا۔''

''وہ یقیناً پروفیسر کے کسی دوسرے گرگے کی حرکت ہوگی۔ہو سکتا ہے کہ جوزف

پروفیسر کے گرگوں پر نظر رکھتا ہو اور اس نے کسی کو ریفریجریٹر روم میں گھستے دیکھا ہو۔"

"یہ درست ہے۔" بالے ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ نے وہ قصہ سنا ہے کہ بلی ہمیشہ شیر سے ایک داؤ بچا کر رکھتی ہے۔"

"سنا ہے۔" خان مسکرایا۔

"تب بتلایئے کہ وہ پروفیسر صاحب شوگانیہ کے ہاتھ اب تک کیوں نہیں لگے؟"

"یہ امر ضرور غور طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ پروفیسر کو کیا علم کہ اس کے چکر میں کوئی ہے۔"

"اب بالے صاحب کی پیٹھ ٹھوکیے تو بالے صاحب فرمائیں۔" بالے گردن اکڑا کر بولا۔

"پیٹھ ٹھوکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیوں، جناب؟"

"آخر ہو تو میرے ہی شاگرد۔"

"تب جایئے، اندازوں پر دوڑیے۔" بالے نے منہ بنایا۔

"تو فرزند، لو اندازہ بھی سن لو۔ سکریٹری اور جوزف کی دوستی تھی۔ ممکن ہے جوزف کی نیت خراب ہونے کے بعد سکریٹری سے کوئی حماقت سرزد ہوئی ہو اور..."

"بس رہنے دیجیے۔ جناب، پروفیسر بہت پہلے غائب ہو گیا تھا اور شوگانیہ کو اتنے دن جھک مارنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ہوں، تمہارے نہ بتانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔" خان نے برا سا منہ بنایا۔

"خیر، آپ بھی کیا یاد کریں گے کسی شاہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ سکریٹری نے جوزف سے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ یہ فارمولا ایجاد ہو کر دنیا کی تباہی کا باعث بنے۔ جوزف نے اسے مشورہ دیا تھا کہ فارمولا تیار ہونے دو رنگے ہاتھوں پروفیسر کو پکڑوائیں گے۔ سکریٹری

کو یہ مشورہ پسند آیا مگر اسی دوران اس سے کچھ حماقتیں سرزد ہوئیں۔ ویسے تب تک فارمولا ایجاد ہو چکا تھا بس پروفیسر غائب ہو گیا۔"

"ہوں۔"

"اب آپ یہ پوچھیے کہ وہ روپوش کہاں ہوا ہے؟"

"اب تم ہی بتلا دو۔"

"جس روز سکریٹری کا جوزف نے پیچھا کیا تھا اس روز نہ صرف سکریٹری کو جوزف کی نیت کا حال معلوم ہو چکا تھا بلکہ اسے پروفیسر کی پناہ گاہ کا بھی پتا لگ گیا تھا اور وہ گھر سے پولیس کو اسی امر کی تفصیلی اطلاع دینے نکلا تھا۔

"کہ پروفیسر لال برج نامی عمارت میں پوشیدہ ہے۔" خان نے قہقہہ لگایا۔

"برخوردار، وہ پولیس کو نہیں، خان کو اطلاع دینے نکلا تھا۔"

"خیر، اس بات کا اندازہ لگا لینا معمولی بات ہے۔" بالے نے سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا، اب اٹھ جاؤ۔"

"کیوں؟ خیریت ہے؟" بالے بوکھلا کر بولا۔

"اب آرام کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں شوگانیہ سے زیادہ پروفیسر کی فکر ہے۔ اس لیے کہ شوگانیہ بھی اس کی فکر میں ہے۔ اگر پروفیسر تنہا ہی ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہوتا تو اتنی فکرمندی کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ اسے کچھ تاخیر سے بھی پکڑا جا سکتا تھا مگر شوگانیہ۔ ہم نہیں چاہتے کہ گارٹلر کی زمین پر آبادشیطانوں میں ایک اور شیطان کا اضافہ ہو جائے۔"

"مگر وہ لال برج؟" بالے گھبرا کر بولا۔

"وہ بھی جانتا ہوں۔ تم جانتے ہو چار برجی کون سی عمارت کہلاتی ہے؟"

"جی ہاں، مگر وہ تو؟"

"وہ چار برجی کہلاتی ہے۔ پہلے وہ لال برج کے نام سے ہی مشہور تھی۔ رفتہ رفتہ

چار بر جی کہلانے لگی ہے۔"

"لیکن وہ تو قطعی غیر آباد اور ٹوٹا پھوٹا کھنڈر ہے؟"

"اب یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔اس شہر کے اطراف میں کہیں میلوں لال برج نام کی کوئی عمارت نہیں ہے اور اتنا مجھے علم ہے کہ چار بر جی ہی لال برج کہلاتی تھی، ممکن ہے اس کے کھنڈروں میں کوئی مقام ایسا بھی ہو جو پروفیسر کو پناہ دے رہا ہو۔"

پھر ان لوگوں نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ پہلے خان نے واجد کو فون کیا پھر وہ آسٹن میں روانہ ہو گئے راستے میں بالے نے پوچھا۔

"آپ نے پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا؟ مدد ہی مل جاتی۔"

"میں زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتا۔اس طرح جال پھیلانے والا خود بھی منتشر دماغ ہو جاتا ہے، ورنہ تنہائی میں وہ ہر طرف کے متعلق خود ہی سوچتا اور چونکتا رہتا ہے۔"

آسٹن بھاگتی رہی۔رفتار بھی دم بدم تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔لال برج نام کی عمارت ایک قدیمی عمارت تھی، جو اب ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ پہلے وہ لال برج کہلاتی تھی، مگر رفتہ رفتہ اس کا نام چار بر جی ہو کر رہ گیا تھا۔یہ عمارت شہر سے کئی میل کے فاصلے پر تھی۔اس کی طرف اب تو کوئی رخ بھی نہیں کرتا تھا۔ویسے پانچ چھ برس قبل تک وہاں میلہ لگا کرتا تھا۔

فاصلہ بھی طے ہوتے دیر نہیں لگی۔نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی انھیں واجد بھی مل گیا تھا جو اپنی موٹر سائیکل پر آیا تھا۔پھر موٹر سائیکل بھی آسٹن کے پیچھے دوڑنے لگی۔

عمارت سے ایک فرلانگ ادھر ہی خان نے عقبی سرخ روشنی جلا کر آسٹن میں بریک لگا دیے۔موٹر سائیکل بھی رک چکی تھی۔واجد ان لوگوں کے نزدیک آ گیا۔اس نے آتے ہی کہا۔"جناب، یہ چار بر جی جیسی سنسان جگہ پر کیا کام ہے؟"

"یہ بتاؤ، تم ریوالور لائے ہو؟" خان نے پوچھا۔

''جی ہاں، فالتو راؤنڈ بھی ہیں۔''

''بس ٹھیک ہے۔ گاڑیاں یہیں رہنی چاہئیں۔ کھنڈروں تک آواز نہیں پہنچنی چاہیے۔''

گاڑیاں وہیں چھوڑ دی گئیں اور وہ لوگ پیدل ہی کھنڈروں کی طرف چل پڑے۔ دفعتاً انھیں کچھ فاصلے سے ایک فائر کی آواز سنائی دی۔

''اوہ۔'' خان چونک پڑا۔ ''جلدی کرو۔''

وہ لوگ دوڑنے کے انداز میں چلنے لگے۔ بالے سوچ رہا تھا کہ یقیناً شوگانیہ کے آدمیوں نے پروفیسر کا پتا لگا لیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ شاید ہی پروفیسر کو پا سکیں۔ کچھ بھی ہو پھر بھی انھیں شوگانیہ کی غیر معمولی قوتوں کا اعتراف تھا۔ اسے اپنے جسم کی وہ برقی روئیں اب تک یاد تھیں۔

''وہ لوگ دوڑتے ہوئے کھنڈروں کے نزدیک پہنچ گئے۔ فائروں کی آوازیں اب تک کھنڈروں میں گونج رہی تھیں۔ نزدیک پہنچ کر خان بولا۔

''ٹھہرو۔ ایک دم گھس جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔''

وہ لوگ ٹھہر گئے۔ خان نے فائروں کی سمتوں کا تھوڑی دیر تک اندازہ کیا اس کے بعد اس نے بالے کو داہنی سمت اور واجد کو بائیں سمت بھیج دیا اور خود وہیں جم گیا۔ پھر فائر رک رک کر ہونے لگے۔ ایک سمت سے ایک فائر ہوتا تھا جس کے جواب میں ایک دم کئی کئی فائر گونج اٹھتے تھے۔ خان نے اندازہ لگایا تھا کہ حملہ آور کئی ہیں اور مدافعت کرنے والا صرف ایک ہے۔ اس نے ان سمتوں کا بھی اندازہ لگا لیا تھا، جن سے فائروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اس نے اپنا ریوالور دوڑتے میں ہی نکال لیا تھا، مگر پھر بھی کچھ سوچ کر ریوالور جیب میں رکھ لیا۔ اس وقت وہ ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔ وہ دیوار زیادہ سے زیادہ تین فٹ بلند ہوگی۔ وہ بڑی آہستگی سے دیوار پر چڑھا اور دوسری سمت اتر گیا، مگر اترتے وقت دیوار

کے اوپر سے چند ٹوٹی ہوئی اینٹیں جو گریں، وہ انھیں نہ روک سکا۔

تڑاق...تڑاق...تڑاق...ایک دم اسی سمت میں تین فائر کیے گئے۔ گولیاں دیوار کے اوپر سے گزر گئیں، مگر خان تو زمین پر لیٹ چکا تھا۔ پھر فائر بند ہو گئے۔ فضا میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ بس کہیں کہیں جھینگروں کی جھائیں...جھائیں...گونج رہی تھی۔ رات گہری تاریک اور دھند آلود تھی۔ سردیوں کی شدت کا زمانہ تھا۔

خان چند لمحے تک سانس روکے لیٹا رہا پھر سینے کے بل آگے کھسکا۔ کسی کھنڈر کی ناہموار زمین پر سینے کے بل کھسکنا کوئی معمولی کام نہیں تھا، مگر خان ان باتوں کے بارے میں کام کے وقت سوچنا بھی حماقت سمجھتا تھا۔

بہر حال وہ ابھی عمارت کے سہ دری سے نصف فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے ایک طویل چیخ سنی، بالکل ایسا ہی لگا جیسے کسی کے سر پر کوئی بہت ہی سزنی شے ماردی گئی ہو۔ کیوں کہ وہ چیخ رفتہ رفتہ ڈوبتی چلی گئی تھی اور پھر سناٹوں میں صرف اس کی بازگشت گونجتی رہ گئی تھی۔ شاید چوٹ کھانے والا بے ہوش ہو گیا تھا۔

''خان صاحب۔'' دوسری طرف سے ایک گھبرائی ہوئی چیخ سنائی دی۔

اور یہ چیخ سوفی صدی بالے کی ہی تھی۔ خان دانت پیس کر رہ گیا۔ مگر اب وہ زمین پر نہیں تھا وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا، کیوں کہ سہ دری میں کئی سائے سے وہ دیکھ رہا تھا۔ پھر یک بیک سہ دری سے ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی پھوٹی۔ بالکل ایسا ہی لگا جیسے کسی بچے نے آتش بازی والا برقی تار جلایا ہو۔ مگر اُس تار میں تو کم ہی روشنی ہوتی ہے اور اس روشنی میں روپہلی جھماکے ہوتے ہیں، مگر یہ روشنی اس سے کہیں زیادہ تیز تھی اور یہ سنہری روشنی تھی۔

خان نے جلدی سے آنکھوں کے سامنے ہاتھ کر لیا مگر روشنی دوسرے ہی لمحے میں بجھ گئی۔ لیکن اس کے باوجود خان کو ایسا لگا جیسے وہ کسی اندھے کنوئیں میں کھڑا ہوا ہو۔ اسے اپنے سے چند قدم کیا ایک فٹ کے فاصلے کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے پھرتی سے جیب میں

سے ریوالور نکالا اور سہ دری کی طرف کئی فائر جھونک دیے، مگر جواب ندارد۔

''خان صاحب۔'' اس نے بالے کی دوسری چیخ سنی۔

''خان صاحب۔'' اس نے واجد کی پہلی چیخ سنی۔

غالباً وہ دونوں خان کو کسی خطرے میں سمجھ رہے تھے۔ مگر خان نے گھوم کر اپنے چاروں طرف کئی فائر کر ڈالے مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بالکل اندھا سا ہو گیا پھر قریب قریب دو منٹ کے بعد اس کی آنکھوں کی روشنی واپس آئی۔ اور وہ دیکھنے کے قابل ہوا تب اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ عین اسی وقت وہ کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی چاپ سن کر چونکا اور جھپٹ کر سہ دری میں گھس گیا۔

چند لمحوں بعد ہی دو سائے اس کے سامنے نمودار ہوئے، مگر وہ ریوالور اٹھاتے اٹھاتے رک گیا، کیوں کہ وہ دونوں بالے اور واجد تھے۔

''خان صاحب۔'' بالے نے پھر آواز لگائی۔

''او گدھے۔'' خان جھنجھنایا۔ ''کیوں شور مچا رہے ہو؟''

''خان صاحب۔'' بالے اور واجد ایک دم سہ دری میں جھپٹے۔ ''خدا کا شکر ہے۔'' بالے بولا۔

''لیکن وہ چیخ کس کی تھی؟'' واجد چونک کر بولا۔ ''اور روشنی بھی۔''

''ہاں، کتنی تیز روشنی تھی، میں نے بھی دیکھی تھی۔'' بالے بولا۔

''یہ تم لوگوں کو بھینسوں کی طرح ڈکرانے کی کیا ضرورت تھی؟'' خان جھلا کر بولا۔

''جج... جناب۔'' واجد گڑگڑایا۔

بالے کچھ نہ بولا۔ اسے واقعی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ دراصل وہ چیخ سن کر جانے کیوں اس کے ذہن میں یہی بات سمائی تھی کہ وہ خان ہی کی چیخ ہے۔ شوگانیہ کا ہوا اس کے ذہن پر اس وقت سوار ہی تھا۔ بس وہ بے اختیار چیخ پڑا۔ چند لمحے بعد خان بولا۔

Akram Allahabadi

''اب شاید ہم لوگ کچھ بھی نہ پا سکیں۔''

وہ لوگ پھر بھی خاموش ہی رہے۔خان نے جیب سے ٹارچ نکالی اور سہ دری میں بنے ہوئے بالائی منزل پر جانے والے زینوں پر روشنی ڈالی۔زینے سنسان پڑے تھے۔وہ لوگ زینے چڑھنے لگے۔

زینے طے کر کے وہ ایک کمرے میں پہنچ گئے،مگر اسے کمرہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا، کیوں کہ اس میں دروازوں کی بجائے بڑے بڑے در ہی بنے ہوئے تھے۔بائیں سمت کے ایک در میں انھیں کوئی کپڑا سا نظر آیا۔وہ لوگ ادھر بڑھے۔وہ غالباً کسی کا رومال تھا،ایک میلا کچیلا سا رومال۔

خان چپ چاپ اسی در سے اندر گھس گیا۔اب وہ لوگ ایسی ہی جگہ میں تھے جو کسی لمبے چوڑے ہال سے مشابہت رکھتی تھی۔اس کی چھت بہت بلند تھی اور جگہ جگہ رنگین پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔مگر وہ پھولوں کی رنگینی ماند پڑ گئی تھی۔کہیں کہیں سے اندرونی سرخ پتھر بھی جھانک رہے تھے۔پورے کمرے میں بے شمار مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔اسی جگہ کے ایک گوشے میں خان ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہی اچھل پڑا۔

بالے اور واجد بھی چونکے تھے۔وہاں ان لوگوں نے کسی انسانی جسم ہی کو دیکھا تھا۔ وہ لوگ لپک کر اس کے نزدیک پہنچے اور قریب سے روشنی پڑنے پر معلوم ہوا کہ وہ آدمی ہی تھا جس کے ہاتھ پشت پر کسے ہوئے تھے اور وہ اوندھا زمین پر پڑا ہوا تھا۔

خان نے جھک کر اسے سیدھا کیا اور بالے اور واجد کے منہ سے تحیر آمیز سی آواز نکل گئی۔کیوں کہ وہ ٹنکی کا چوکی دار ہی تھا۔اس کے چہرے پر داڑھی اور سر پر گھنے بال تھے۔چوکی دار تو مر چکا تھا بالے نے سوچا،مگر واجد بول پڑا۔

''ارے،یہ تو مر چکا تھا۔''

''وہ اس چوکی دار کی نقل تھا۔''خان نے کہا۔

''اوہ۔'' بالے ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔

بات کافی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی تھی پھر وہ بڑبڑایا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پروفیسر نے اس جگہ کو ہی اپنی پناہ گاہ بنا لیا تھا۔''

''ظاہر ہے۔ خود ہی سوچو، کیا کسی کے تصور کی بھی پہنچ یہاں تک ہو سکتی ہے؟''

پھر ان لوگوں ن وہ پوری عمارت چھان ماری۔ صرف اسی کمرے میں پروفیسر کا بہت سارا سامان ملا، مگر کوئی بھی ایسی شے نہ تھی جو قابلِ گرفت ہوتی، بس ایسی ہی اشیا تھیں جو روزانہ ضروریاتِ زندگی میں شامل ہوتی ہیں۔

''بہت چالاک پروفیسر تھا۔'' خان بڑبڑایا۔ ''یہاں ایسی شے نہیں رکھی تھی جس سے اس کے بارے میں کوئی خاص بات ظاہر ہو سکتی، سوائے اس چوکی دار کے۔''

پھر وہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو ان کے ساتھ صرف چوکی دار ہی تھا۔ وہ بے ہوش تھا۔ راستے میں بالے نے کہا۔

''مگر وہ روشنی... وہ کیسی تھی؟''

''برخوردار، اس روشنی نے ہی مجھے بے بس کر دیا، ورنہ شوگانیہ کی ہستی بھی نہیں تھی کہ اس طرح پروفیسر کو نکال لے جاتی۔ وہ کوئی بہت ہی تیز قسم کی نارنج تھی، جس کے آنکھوں پر پڑنے سے کم از کم دو منٹ تک آنکھ ضرور بے کار ہو جاتی ہے۔''

''اوہ، واقعی ان لوگوں کے حربے غیر معمولی ہیں۔'' بالے بولا۔

اسے شوگانیہ کا وہ حربہ یاد آ گیا جس نے دو منٹ کے لیے بالے کو زمین پر تڑپنے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ اس نے خان کو بھی بتلایا اور خان بولا۔

''بالے صاحب۔ اب ان شیطانوں کی بستی کو دنیا کی سرزمین پر نہیں رہنا چاہیے۔''

''جی؟'' بالے چونک پڑا۔

''شوگانیہ، مجھے آج کی دونوں شکستیں اس وقت تک یاد رہیں گی جب تک کہ اس کا

بدلہ شوگانیہ کا نہ مل جائے۔خدا کی پناہ، کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ جوزف کلب میں لائٹ بجھادی گئی مگر وہاں سے نکل گئی اور اس وقت، بھلا میری آنکھیں ہی بے کار ہو گئی تھیں۔بالے صاحب یقیناً یہ ونو معمولی حربے ہیں۔مگر کیا انھیں ذرا سا دیر پا کر کے غیر معمولی نہیں بنایا جا سکتا۔کیا تم جس طرح دو منٹ تڑپے تھے اگر اسی طرح دس منٹ تک مسلسل تڑپتے رہو تو ختم نہیں ہو جاؤ گے؟ کیا جس طرح میں چند لمحے کے لیے آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھا تھا اگر اسی طرح وہ لائٹ ایک منٹ کے لیے کسی کی آنکھوں میں پڑ جائے تو کیا وہ اندھا نہیں ہو جائے گا؟ بالے صاحب، اس روشنی میں ایک خاص بات میں نے محسوس کی تھی کہ تم اس رشنی کے سامنے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔کوشش کرنے کے باوجود تمہاری آنکھیں کھلی رہیں گی۔"

"اوہ۔" بالے ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔"آپ نے اگر یہی ارادہ کر لیا ہے تو میں سمجھ لوں کہ اب شامت قریب آ گئی۔"

"کچھ بھی سمجھ لو۔"

"مگر شوگانیہ ابھی ہمارے ملک سے نکلی تو نہیں ہو گی۔" بالے نے کہا۔"کیوں نہ آپ اسے یہیں کوشش کر کے گرفتار کرا دیں۔"

"بالے صاحب، اب تو یہ خان کے لیے بچوں کا کھیل ہو گیا۔اب یہ نہیں ہو سکتا۔"

بالے ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔کوٹھی پہنچ کر چوکی دار کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کی گئی اور ہوش آنے کے بعد چوکی دار نے بتایا کہ وہ قریب قریب چھ پانچ روز سے اسی کھنڈر میں مقید تھا اور اسے وہاں تک پہنچانے کی ذمہ داری ٹنکی کے بابو شرما پر تھی۔شرما اس سے کوئی ایسا کام لینا چاہتا تھا جس میں اسے شیطانیت کی بو نظر آئی تھی کیوں کہ اس کام کے لیے شرما نے اسے کئی ہزار کی پیشکش کی تھی۔مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔نتیجے کے طور پر اسے یہاں پہنچا دیا گیا تھا اور اس کے سامنے ہی اس کی شکل دیکھ دیکھ کر کسی آدمی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور وہ اس کی جگہ پر چلا گیا۔

چوکی دار نے بتلایا تھا کہ شرما اس شخص کے ہاتھوں چند ہزار روپوں میں بک گیا تھا جو اس سے کوئی خطرناک اور عوام کے لیے نقصان دہ کام لینا چاہتا تھا۔ وہ شخص سوائے پروفیسر کے کون ہو سکتا تھا۔ چوکی دار نے اس شخص کے متعلق بھی بتلایا کہ وہ ایک بہت ہی دبلے پتلے جسم کا مدقوق سا انسان تھا جس کی رنگت گوئلے کی مانند سیاہ تھی۔ قد چھوٹا سا تھا اور اسے شرما، پروفیسر صاحب کہہ رہا تھا۔ آج کے بارے میں اس نے بتلایا کہ وہ شام سے ہی بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اسے علم نہیں کہ وہ کس طرح یہاں تک پہنچا تھا۔"

اسے آرام کرنے کی ہدایت کر کے خان پھر تہہ خانے میں گیا۔ اس سے تہہ خانے میں جانے سے قبل بالے نے پوچھا۔

"آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ شیطانوں کی بستی ہے کہاں؟"

"وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔" خان مسکرایا۔

وہ پھر تہہ خانے میں آیا تھا اور بالے حیران رہ گیا تھا جب کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں شوگانیہ کا ساتھی بولنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے لیے خان نے اسے کوئی خاص اذیت نہ دی تھی۔ بس اسے کرسی پر بٹھا کر اس کے دونوں ہاتھوں کو سیدھا کر کے کرسی کے ہتھوں پر کس دیا گیا تھا اور ہتھیلیوں میں سیفٹی پن چبھوئے گئے تھے جسے تھوڑی دیر تک تو شوگانیہ کا ساتھی برداشت کرتا رہا تھا پھر بولنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

اس کے بعد وہ جتنا بولتا رہا، بالے کی آنکھیں اتنی ہی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ پھر خان اسے اسی حالت میں چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا۔

بالے نے پوچھا۔

"اب کیا خیال ہے؟"

"روانگی۔" خان نے سنجیدگی سے بولا۔

"خدا کی پناہ، اب بھی خیال نہیں بدلا؟"

Akram Allahabadi

''خان شوگانیہ کو جہنم تک میں نہیں چھوڑے گا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے۔ ہم لوگ کل ہی روانہ ہوں گے۔ تمہیں جو انتظام کرنا ہے دن بھر میں کر لینا۔ واجد یہاں کام دیکھے گا۔ فرزانہ ہمارے ساتھ ہی جائے گی۔''

''مگر سنیے، راستہ بتانے کے سلسلے میں شوگانیہ کا ساتھی ہمیں دھوکہ بھی دے سکتا ہے۔''

''وہ خود ہی ہماری رہنمائی کرے گا۔ غداری کی صورت میں وہ میری اذیتیں برداشت نہ کر سکے گا۔'' خان بولا۔

بالے اس کی آواز سن کر کانپ اٹھا۔ خان کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

گیارہویں روز کشتی ساحل سے لگی۔

سفر کے دوران جو کشتی استعمال کی گئی تھی یہ وہی کشتی تھی جو ڈاکٹر ہارپر والے کیس میں جزیرہ شے با میں خان کے ہاتھ لگی تھی۔ ڈاکٹر ہارپر ہی کے ایک آدمی سے ڈرائیو کرنے کے طریقے خان نے سیکھے تھے۔ کیس ختم ہونے کے بعد کشتی دارالحکومت کے پولیس اسٹیشن پر محفوظ کر دی گئی تھی۔

راستے کی رہنمائی شوگانیہ کے اسی آدمی نے کی تھی جو جوزف کلب سے ہاتھ لگا تھا۔ بالے کا خیال تھا کہ یقیناً یہ شخص راستے میں دھوکہ دے گا، انھیں بھٹکائے گا، مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے بالکل صحیح طور سے رہنمائی کی تھی اور وہ لوگ گیارہویں روز ساحل پر پہنچ گئے تھے۔ حالاں کہ جس کشتی میں ان لوگوں نے سفر کیا تھا وہ کشتی ہوائی جہاز کی تیزی سے بھی کئی گنا تیز رفتاری سے دوڑتی تھی، جسے پانی کے اندر بھی چلایا جا سکتا تھا اور پانی کے اوپر بھی۔ اس کے باوجود وہ لوگ گیارہویں روز ساحل سے لگے تھے۔

Akram Allahabadi

شوگانیہ کے ساتھی نے بتلایا تھا کہ آتے وقت سفر میں جو کشتی استعمال کی گئی تھی وہ صرف تین روز میں ہی پہنچ گئی تھی، کیوں کہ وہ رفتار کے اعتبار سے کسی راکٹ سے کم نہ تھی۔ حالاں کہ وہ پانی میں چلنے والی شے تھی اور اس کا خیال تھا کہ شوگانیہ اس کشتی سے واپس بھی گئی ہے۔ چناں چہ وہ ان لوگوں سے آٹھ روز قبل ہی جزیرے میں پہنچ گئی ہوگی۔

بہر حال وہ لوگ جزیرے کے ساحل پر اتر گئے۔ گیارہ روز کا مسلسل سفر اور وہ بھی پانی ہی پانی میں۔ گیارروز کے بعد خشکی دیکھتے ہی ان کی طبیعتیں بحال ہوگئیں۔ وہ تعداد میں آٹھ تھے۔ خان، بالے، فرزانہ، واجد اور چار تربیت یافتہ بہترین قسم کے فوجی آفیسرز۔ وہ چاروں بھی معمولی عہدیدار نہیں تھے۔ دو آنریری کرنل کیپٹن اور ایک صوبیدار۔ ان چاروں کا انتخاب ملٹری کے ہیڈ آفس جا کر خان نے خود ہی کیا تھا۔

کشتی معمولی نہیں تھی۔ اگر وہ چاہتا تو کشتی میں کم از کم ڈیڑھ سو فوجیوں اور مسلح لوگوں کو بھر کر لا سکتا تھا مگر خان زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتا تھا۔ البتہ اس کا انتخاب کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ چاروں فوجی ہی کم از کم مسلح فوجیوں پر بھاری پڑ سکتے تھے۔ چاروں تجربہ کار آفیسرز ہی تھے۔

نوری فرو، شوکانیہ کا ساتھی تھا، جس کی بائیں ران زخمی تھی۔ وہ بھاگ دوڑ نہیں سکتا تھا، لہٰذا جزیرے کے ساحل پر اترنے کے بعد بھی اس سے کسی قسم کی سختی نہیں برتی گئی تھی۔ چاروں فوجی بھی کیوں کہ جفاکش اور محنتی تھے پھر خان نے مزدوروں کو ساتھ نہیں لیا تھا۔ لہٰذا جزیرے کے ساحل پر خیمے بھی ان لوگوں نے خود ہی لگائے تھے۔ بالے اور واجد نے ان لوگوں کا ہاتھ بٹایا تھا، البتہ خان کو چاروں نے ہی ہاتھ نہیں لگانے دیا تھا۔ حالاں کہ خان نے کہا بھی تھا کہ وہ لوگ ایسی جگہ ہیں جہاں آفیسری ماتحتی کے متعلق سوچنا ہی حماقت ہے۔

بہر حال چار خیمے لگائے گئے تھے، تین قطار میں، چوتھا درمیانی خیمے کے ساتھ۔ درمیانی خیمہ فرزانہ کے لیے تھا، جسے تین اطراف سے خیموں نے گھیرے میں لے لیا تھا اور

چوتھی سمت ایک قدرتی دیوار سے محفوظ تھے۔ یہ دیوار اس بلندی کی تھی جو ساحل سے نصف فرلانگ کے بعد شروع ہوتی تھی۔ ویسے جزیرے کا ساحلی علاقہ چاروں طرف سے نصف فرلانگ کی چوڑائی میں کافی نشیبی تھا، اتنا ہی نشیبی کہ کم از کم دو آدمی اوپر نیچے کھڑے ہوں تب اوپر والے کا سر اوپر چمک سکے۔

ایک سمت کے خیمے میں تین فوجی رہ رہے تھے، دوسری سمت کے خیمے میں واجد اور ایک فوجی، سامنے والے خیمے میں خان اور بالے تھے۔ شوگانیہ کے ساتھی کو خان نے اپنے ہی خیمے میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی کے خیمے میں ضروری اسلحہ بھی موجود تھا۔

اس دوپہر کو انھیں خود ہی کھانا بنانا پڑا۔ ویسے کشتی میں وہ لوگ پھلوں اور ڈبل روٹیوں پر گزارہ کرتے رہے تھے۔ چائے کے لیے ہیٹر استعمال کیے گئے تھے۔ یہاں ساحل پر انھیں اسٹوو استعمال کرنا پڑے۔ کھانا واجد اور فرزانہ نے مل کر بنایا۔ خان قرب و جوار کی دیکھ بھال کے لیے نکل گیا تھا۔ چاروں فوجی کئی روز کے بعد کھلے آسمان کے نیچے نکلے تھے، لہٰذا وہ لوگ اپنے خیمے کے سامنے بیٹھ کر تاش کھیلنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

بالے بڑے اطمینان سے واجد اور فرزانہ کو کھانا بناتے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اسے شرارت سوجھی۔ اس نے واجد کو مخاطب کر کے کہا۔

"یار، معلوم ہوتا ہے تم اس محکمے میں آنے سے قبل کسی تنور پر روٹیاں ہی پکاتے ہو گے۔"

واجد کے ساتھ فرزانہ بھی ہنس پڑی اور بالے تاؤ کھا کر رہ گیا۔ گیارھویں روز اس نے کھلی فضا میں سانس لی تھی، کچھ چھیڑ چھاڑ کے لیے دل چاہا تھا، مگر ساتھی ملے تھے سو الو ہی الو، جنھیں مذاق تک سمجھنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کاش خان، صوفیہ کو بھی ساتھ لے آیا ہوتا تو کم از کم اس سے چھیڑ چھاڑ چلتی ہی رہتی۔

وہ برا سا منہ بنا کر اٹھ گیا اور ایک طرف چل پڑا۔ واجد اور فرزانہ کام میں مصروف

تھے، چناں چہ ان لوگوں نے اس کی طرف دیکھا ضرور مگر کچھ بولے نہیں البتہ جب وہ فوجیوں کے خیمے کے سامنے سے گزرا تو کرنل جبار نے ضرور ٹوکا۔

''کہاں چلے، آفیسر؟'' وہ لوگ بالے اور خان دونوں کو آفیسر کہہ کر ہی پکارتے تھے۔

''یوں ہی ذرا ورزش کے لیے ٹانگیں ہلا رہا ہوں۔''

''کیوں، آفیسر؟'' صوبیدار سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ ''کیا ٹانگیں ورکنگ آرڈر میں نہیں رہیں؟''

''جی ہاں۔'' بالے جل کر بولا۔ ''فالج گر پڑا ہے۔''

پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ لوگ پیچھے قہقہے لگا رہے تھے۔ بالے یوں ہی آگے بڑھتا رہا۔ وہ بغیر کسی مقصد کے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ حالاں کہ اس کا ارادہ زیادہ دور جانے کا نہیں تھا، مگر وہ سوچ میں ڈوبا ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سائنس کی ایجادات بھی کیا چیزیں ہیں۔ ابھی صرف گیارہ روز قبل وہ ایک بھرے پرے آباد اور بارونق شہر میں تھے اور اب اس شہر سے کئی ہزار میل دور ہیں اور وہ بھی ایک ایسے جزیرے میں جس کا آج کی ظاہری دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی دنیا کا شاید کوئی ملک اس جزیرے کے وجود سے واقف نہ تھا۔ یہ بات انھیں شوگانیہ کے ساتھی نے ہی بتلائی تھی کہ یہ جزیرہ اپنی ایک علاحدہ دنیا رکھتا ہے۔ خان کے خیال میں وہ محض شیطانوں کی دنیا ہی تھی۔

نشیبی علاقے سے کہیں کہیں بلند علاقہ تک پہنچنے کے لیے کچھ قدرتی کٹاؤ والے راستے بھی مل جاتے تھے جو غالباً برسات کے زمانے میں جزیرے میں سے بہہ کر سمندر تک لاتے ہوں گے، مگر آج کل تو وہ انسانوں کے لیے بڑی سہولت مہیا کرتے تھے۔

بالے اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور اسی سوچ میں وہ اوپر چڑھ گیا۔ دور تک، تاحدِ زرد زرد گھاس کا اونچا نیچا سا میدان پھیلا ہوا تھا، جس کی زمین مسطح نہیں تھی، کہیں نشیب تھے اور کہیں

فراز۔ مگر نشیب بہت گہرے تھے نہ فراز بہت بلند۔ یہاں کی گھاس کی زردی کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حصہ خطِ استوا سے اتنا ہی نزدیک تھا کہ وہ لوگ نومبر کے وسط میں یہاں پہنچے تھے، مگر جسم پر ایک قمیض سے زیادہ کوئی کپڑا برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شوگانیہ کے ساتھی نے بتلایا تھا کہ اس جگہ کا موسم بارہ مہینے ایسا نہیں رہتا۔ مئی جون کی گرمیوں میں تو اگر پانچ منٹ وہاں کی دھوپ میں کھڑے ہو جاؤ تو اچھا بھلا آدمی چکرا کر گرے اور ختم ہو جائے۔ اس نے بتلایا تھا کہ ڈاکٹر گارٹلر نے اپنے معمولی ساتھیوں کے لیے بھی ایئر کنڈیشنڈ رہائش گاہیں بنوائی ہیں، جو زمین دوز ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی آبادی زمین کے اندر ہے جس کا فاصلہ بھی اس نے ساحلِ سمندر سے دس میل کے قریب بتلایا تھا۔ اس نے بتلایا تھا کہ رہائش گاہوں سے سمندر تک آنے کے لیے وہ لوگ کوئی مشینی سواری نہیں استعمال کرتے بلکہ گھوڑوں کی پیٹھ پر آتے ہیں اور وہ گھوڑے اس ناہموار میدان میں اس طرح دوڑتے ہیں، جیسے عام گھوڑے ریس کے میدان میں۔

بالے ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ بری طرح چونک کر ٹھہر گیا، اس نے قریب ہی کسی گدھے کے رینگنے کی آواز سنی تھی۔ چونک کر اسے خیال آیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے کافی دور نکل آیا ہے، مگر وہ گدھے کی رینگنے کی آواز؟ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پھر اچھل کر جیب سے ریوالور نکال لیا اور بلند آواز میں بولا۔

"خبردار، اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

وہ ایک آدمی سے ہی مخاطب تھا، جو اس سے صرف چند ہی گز کے فاصلے پر ایک نشیب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی صرف پیٹھ نظر آ رہی تھی، جیسے وہ ہاتھوں کے بل دبک گیا ہو۔ بالے کی آواز سن کر اس نے گردن اوپر اٹھائی اور پھر جھک گیا۔ ایک مدقوق سا پیلاہٹ مائل سیاہ چہرہ نظر آیا تھا۔

بالے نے چیخ کر کہا۔

''چلو، باہر نکلو، ورنہ گولی مار دوں گا۔''

مگر اس شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بالے جھپٹ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں، کیوں کہ وہ آدمی، جو ایک قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا، جس کے گلے میں کم از کم پچیس روپے کی ٹائی بندھی ہوئی تھی، ہاتھوں کے بل چلتا ہوا گھاس پر منہ مار رہا تھا۔ منہ ہی نہیں مار رہا تھا، بلکہ گھاس کھا بھی رہا تھا۔

بالے کو دیکھ کر اس نے گردن اٹھائی اور بڑے معصوم انداز میں اس نے بالے کی طرف دیکھا پھر اس کا منہ کھل گیا اور اس کے منہ سے گدھے کی رینک کی سی آوازیں خارج ہونے لگیں۔ بالے اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ شخص پھر سر جھکا کر گھاس کھانے میں مشغول ہو گیا۔ بالے چند لمحے تک وہیں کھڑا ہوا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

''مائی ڈیئر ڈنکی، مجھے تاؤ نہ دلاؤ، میں تم سے تیز منہ مار سکتا ہوں۔ چلو اب اوپر آجاؤ ورنہ...''

مگر اب کے ڈنکی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ بالے نے دوسری طویل سانس لی اور ریوالور جیب میں ڈال کر اکڑوں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ایں، تم کو شرم نہیں آتی گھاس ہو کر آدمی کھاتے ہو۔ ارر... آدمی ہو کر گھاس کھاتے ہو۔ کم از کم اس قیمتی پتلون کا تو خیال کیا ہوتا جس کے بنکروانے کا فی محنت کر کے کپڑا تیار کیا ہوگا۔''

مگر اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا، بس ایک بار نظر اٹھا کر بالے کی طرف دیکھا ضرور تھا، پھر نگاہیں جھکا کر گھاس چرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ بالے ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''معلوم ہوتا ہے تمہارے ملک میں گدھوں کی حکومت ہے۔ کیوں، یار ڈنکی، کیا

گدھے لوگ تم لوگوں پر کپڑے لاد کر گھاٹ پر بھی لے جاتے ہیں؟ تم پر گوبر کے اُپلے بھی ضرور لادے جاتے ہوں گے؟ بڑے ظالم ہیں یہاں کے گدھے لوگ۔ خیر، آؤ، میں تمہیں طبیلے میں باندھونگا۔ چلو اب نکل بھی جاؤ، زیادہ نخرے نہ کرو۔"

بالے خرنما انسان سے دل چسپی لینے میں اتنا محو تھا کہ وہ اپنے نزدیک کسی کے قدموں کی آہٹیں بھی نہ سن سکا، پھر وہ چونکا اس وقت جب ایک سریلی سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تم کون ہو جی، میرے خرشہزادے کو ورغلانے والے؟"

بالے نے چونک کر اس طرف دیکھا پھر اتنی زور سے اچھل کر کھڑا ہوا جیسے اس جگہ سے لوہا اہل کر نکل پڑا ہو جس جگہ وہ بیٹھا تھا۔ اس کے ذہن کو ایک شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔ اس کے سامنے سارہ کھڑی تھی، نسپکٹر سارہ، جو ٹمبیل وادی کے کیس میں مرحوم تصور کر لی گئی تھی، وہی سارہ اس کے سامنے کھڑی تھا۔

"ارے، سارہ۔" بالے متحیرانہ انداز میں بولا۔

"اے، ادب سے نام لو، گستاخ کہیں کے۔ پرنسس سارہ کہہ سکتے ہو۔" سارہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور خرنما انسان کی طرف مخاطب ہو گئی۔

"چلو، خرشہزادے، ان کے ورغلانے میں نہ آجانا۔"

"سارہ، تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں بالے ہوں، خان صاحب کا اسسٹنٹ بالے۔"

سارہ نے بڑے تیکھے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر ایک دم پلٹ کر بھاگ پڑی۔ بالے چند لمحوں تک تو اس طرح ہکا بکا سا کھڑا رہا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا ہو، مگر جب اسے ہوش آیا تو سارہ اس سے دو فرلانگ سے بھی زیادہ فاصلے پر پہنچ چکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے بالے نے سارہ کی طرف دوڑنا چاہا، مگر پہلے ہی نشیب میں گھٹنوں کے بل گرا۔

اس کے گھٹنوں میں اتنی سخت چوٹ لگی کہ چند منٹ تک تو وہ کھڑا ہی نہ ہو سکا۔

پھر جب وہ کھڑا ہو کر باہر نکلا تو سارہ کا وجود ایک نقطے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت دور پہنچ چکی تھی۔ بالے نے سوچا کہ اس کے پیچھے بھاگے، مگر وہ پہلے ہی چھلانگ کا نتیجہ دیکھ چکا تھا۔ چناں چہ اس نے بھاگنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ویسے بھی وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں تک جنگلوں میں بھٹکتا پھرے گا؟ ویسے اس نے سارہ کی رفتار پر حیرت تھی۔ وہ اس ناہموار میدان میں بھی اس طرح بھاگ رہی تھی جیسے وہ صاف اور چکنی سڑک پر۔

بہر حال اس نے ایک طویل سانس لی پھر اسے اس خرنما انسان کا خیال آیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، مگر خلاف توقع انسان اسی سکون و طمانیت کے ساتھ گھاس چرنے میں مصروف تھا۔ بالے بڑے اطمینان سے اس کے نزدیک پہنچا اور بولا۔

''ڈیئر ڈنکی، تم نے دیکھا مس کتنی زور سے گرا تھا؟''

مگر ڈیئر ڈنکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے گھاس چرتے رہے۔ بالے ملتجی لہجے میں بولا۔

''اگر میں تمہاری پیٹھ پر سواری کر لوں، ڈیئر ڈنکی، تو تمہیں ناگوار تو نہیں گزرے گا؟ لوگ کہتے ہیں کہنے سے گدھا کمہار پر نہیں چڑھتا۔ مگر وہ صرف ایک مثال ہے۔ بالے بنا کہے ہوئے تم پر چڑھنا چاہتا ہے۔ یقین مانو اگر کل تم چاہو تو تمام دن مجھ پر سواری کر لینا۔ آج تو ٹانگیں ورکنگ آرڈر میں پہلے ہی نہیں تھیں اور سالیوں کا کباڑا ہو گیا، خدا غارت کرے اس کم بخت سارہ کو۔ یار ڈنکی، وہ تو گدھوں سے بھی تیز بھاگتی ہے۔''

ڈیئر ڈنکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بالے نے ڈیئر ڈنکی کا کان پکڑا اور اوپر کھینچ لیا۔ ڈیئر ڈنکی کسی سعادت مند گدھے کی مانند چاپ چاپ کھنچے چلے آئے۔ انھوں نے چوں تک نہ کی۔ مگر وہ چاروں ہاتھ پاؤں کے بل ہی چل رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحے بالے نے ٹانگ اٹھائی اور ڈیئر ڈنکی کی پشت پر لد گئے۔ بالے کو خیال تھا یہ سوکھا دبلا اور مدقوق سا آدمی، جس کے

جسم میں خون نہ ہونے کے باعث رنگت تک زرد پڑ گئی ہے، اس کے بوجھ سے ضرور اوندھے منہ گرے گا، مگر دوسرا لمحہ بڑا بڑا حیرت خیز تھا۔ کیوں کہ وہ مدقوق سا انسان کسی مضبوط گھوڑے کی مانند بالے کو پیٹھ پر لادے بھاگ رہا تھا۔ اس کے بھاگنے کا انداز بالکل گھوڑوں جیسا ہی تھا۔ بالے نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں پھر جھک کر ڈیئر ڈنکی کے کان کے قریب منہ لے جا کر بولا۔

''ڈیئر ڈنکی، کہیں کسی کے عشق میں تو تمہاری یہ حالت نہیں ہوگئی؟ یہ عشق بُری بلا ہے بڑے بڑوں کو آدمی سے گدھا بنا دیتی ہے۔ ہائیں، کہیں تم ان پرنسس سارہ سے تو عشق نہیں کرتے، ڈیئر ڈنکی۔ اگر ایسا ہے تو اپنی سفارش چل جائے، بتلا دینا۔''

مگر ڈیئر ڈنکی جواب دیے بغیر اطمینان سے دوڑتے رہے۔ بالے کو سمتوں کے سلسلے میں صرف کان مروڑ کر اشارہ دینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ جدھر کا کان مروڑا، ڈیئر ڈنکی ادھر ہی مڑ گئے۔ جلد ہی وہ نشیب میں اترے اور دوڑتے رہے اور پھر سامنے ہی بالے نے خیمے دیکھے۔

دوپہر گزرتی جا رہی تھی۔ چاروں فوجی اب تک خیمے کے سامنے تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک کی نظر بالے پر پڑی اور وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چونک کر سنجیدہ ہوگیا۔ باقی تینوں فوجیوں نے بھی پلٹ کر دیکھا۔ اتنی دیر میں بالے ان لوگوں کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ مارے حیرت کے تینوں چاروں ایک دم کھڑے ہوگئے۔ لیکن بالے شانِ بے اعتنائی سے ان کے نزدیک سے گزرتا چلا گیا۔

پھر فرزانہ اور واجد کی بھی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ لوگ بھی سنجیدہ ہوگئے۔ سوال فرزانہ نے ہی کیا تھا۔

''ارے، یہ کون ہے؟''

''بس، ڈیئر ڈنکی۔'' بالے اس کے کان کھینچ کر بولا۔

ڈیئر ڈنکی ایک دم رگیا۔ بالے نیچے اتر آیا۔ ڈیئر ڈنکی نے اگلا ایک پاؤں زمین پر

مارا اور زور سے رینک پڑا۔ فرازانہ اور واجد پھر ہنسنے لگے، مگر ان کی ہنسی میں تحیر نمایاں تھا۔ چاروں فوجی بھی اٹھ کر آ گئے تھے۔ کرنل جبار نے پوچھا۔

''یہ کون ہے، آفیسر؟ کہاں ملا؟''

''ڈیئر ڈنکی ہے۔'' بالے نے بڑی سادگی سے کہا۔

خان شاید اپنے خیمے تھا، وہ بھی نکل آیا۔ چاروں فوجیوں کی بھیڑ کے درمیان سے ہوتا ہوا وہ سامنے نکل آیا۔ پھر اس خرنما انسان پر نظر پڑتے ہی وہ اس طرح چونک پڑا جیسے کوئی بالکل ہی غیر معمولی بات اس کے سامنے آ گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں تحیر بھی تھا۔ اسے دیکھ کر سب خاموش ہو گئے تھے۔ مگر بالے ڈیئر ڈنکی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہہ رہا تھا۔

''میرے ڈیئر ڈنکی کو اس طرح نہ گھوریے، جناب۔''

''یہ تمہیں کہاں ملا؟'' خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''جہاں قسمت میں ملنا لکھا تھا۔'' بالے نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''خرشہزادی بھاگ گئیں، خرشہزادہ بھاگ آیا۔''

''بکو مت، ٹھیک ٹھیک جواب دو؟'' خان اسے گھور کر بولا۔

''میں صحیح عرض کر رہا ہوں، جناب۔'' بالے سنجیدگی سے بولا۔ ''وہ بھاگ گئی اور میرے ساتھ یہ چلا آیا۔ بے چارہ ڈیئر ڈنکی۔''

''کون بھاگ گئی؟'' خان نے اسے گھور کر پوچھا۔

''سارہ اور کون۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

خان چند لمحوں تک اسے بے یقینی کے انداز میں گھورتا رہا اور پھر بولا۔

''میں تمہیں اٹھا کر پانی میں پھینک دوں گا۔''

''مگر حقیقت نہیں بدل سکتے۔'' بالے پرجوش لہجے میں بولا۔ ''ہمیشہ سے یہی ہوتا آ رہا ہے۔ ہمیشہ حقائق کو پانی نصیب ہو رہا ہے، شرافت کو گھاس۔ میرا ڈنکی زمانے کا واحد

شریف آدمی ہے۔کیا ہوا جو اسے خرشہزادی چھوڑ کر بھاگ گئی۔خرشہزادی بہت تیز بھاگ سکتی تھی۔اس ناہموار زمین میں کوئی بھی اس کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔"

فرزانہ اور واجد کے ہونٹوں پر تحیر زدہ سی مسکراہٹ تھی۔مگر چاروں فوجی بالے کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ سمجھ رہے ہوں کہ بالے کا دماغ الٹ گیا ہے۔مگر خان اسے بڑی سنجیدگی سے گھور رہا تھا اور ڈیئر ڈنکی ادھر ادھر گھاس پر منہ مار رہا تھا۔

دفعتاً خان نے بالے کی گردن پکڑی اور اوپر اٹھالیا۔وہ خان کے ایک ہی ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا۔دیکھنے والے سبھی اسی طرح متحیر تھے، جیسے انھیں خان کی جگہ کوئی بھوت نظر آ گیا ہو۔

بہر حال دو ہی جھٹکوں میں بالے صاحب کی عقل ٹھکانے لگ گئی اور اس نے تفصیل سے بتایا اور پھر اپنے گھٹنے دکھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھیے، یہ میری پہلی ہی چھلانگ کا نتیجہ ہے۔اگر ڈیئر ڈنکی اتنا ہمدرد دل سینے میں نہ رکھتے ہوتے تو میں یہاں مشکل سے پہنچ پاتا۔بالے نے پیار سے ڈیئر ڈنکی کی کھوپڑی سہلائی۔

"جانتے ہو تم یہ ڈیئر ڈنکی کون ہے؟" خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ڈیئر ڈنکی ہے، خرشہزادہ، اور کون ہوتا؟"

"سنو گے تو حیرت زدہ رہ جاؤ گے۔"

"خیر، میں فی الحال حیرت زدہ نہیں رہنا چاہتا۔پیٹ میں ویسے ہی چوہے دوڑ رہے ہیں۔حیرت زدہ کا حیرت زدہ ہی رہ گیا تو اللہ اللہ خیر صلا۔"

خان نے ایک طویل سانس لی اور اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔چاروں فوجی، واجد اور فرزانہ کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ ڈیئر ڈنکی حقیقت میں کون ہے۔مگر ان لوگوں نے خان کو ٹوکا بھی نہیں۔اس کے جانے کے بعد چاروں فوجی بھی ہنستے

ہوئے اپنے خیموں کی طرف چلے گئے۔فرزانہ اور واجد پھر اسٹوو کی طرف متوجہ ہو گئے اور بالے وہیں پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''آؤ، ڈیئر ڈنکی، تم بھی لائن میں لگ جاؤ۔''

مگر ڈیئر ڈنکی نے کچھ نہ سنا۔تب بالے غم ناک لہجے میں بولا۔

''ناراض ہو، ڈیئر ڈنکی؟ فکر نہ کرو، پیارے۔تم سے ساری دنیا سوال کرے کہ تم کون ہو، مگر میرے لیے تم صرف ڈیئر ڈنکی ہو۔مجھے اس سے غرض نہیں تم رومن شہزادے ہو یا ہمالیہ کی ترائی میں بسنے والے سفید ریچھوں کے دھرواب۔اررر.. داماد ہو۔میرے لیے تم صرف ڈیئر ڈنکی ہو۔ایک پرنسس سارہ گئی تو کیا ہوا، ابھی یہ فرزانہ موجود ہے اور تم اپنے بالے سے دوستی نبھا کر تو دیکھو، تم ایک سارہ کو رو رہے ہو، اداس ہو، میں تمہارے لیے ایک درجن گدھیاں مہیا کر سکتا ہوں۔ایک ایک گدھی پانچ پانچ من بوجھ اٹھانے والی ہوگی۔''

''اچھا اچھا۔''فرزانہ مسکرائی۔''یعنی میں گدھی ہوں؟''

''یہ تو تمہاری کسرِ نفسی ہے، ورنہ میں تو اس سے بھی عظیم ہستی سمجھتا ہوں۔''بالے سنجیدگی سے بولا۔''ویسے آج کی دنیا کی سب سے عظیم ہستی میری نظر میں یہ گدھے ہی ہیں۔یہ ایٹمی ہتھیاروں کے متعلق کچھ نہیں بتلا سکتے، یہ انسانوں کے پٹاخے بھی نہیں پھڑا سکتے اور یہ کروڑوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر امن امن بھی نہیں چیخ سکتے۔''

فرزانہ ہنسنے لگی۔واجد مسکرا کر بولا۔

''تم تو فلاسفروں جیسی گفتگو کر رہے ہو۔''

''دنیا کا سب سے بڑا فلاسفر عظیم گدھا ہے، جس نے اتنا سوچنے پر کمر باندھی ہے کہ صرف سوچتا ہی رہ گیا ہے، بولنا جانتا ہی نہیں۔''

''سنو۔''واجد نے کہا۔''ابھی تم نے جس سارہ کا تذکرہ کیا تھا یہ وہی انسپکٹر لیس سارہ تو نہیں ہے جو تم لوگوں کے ساتھ کافی عرصے تک کام بھی کر چکی ہے؟''

Akram Allahabadi

"وہ کچھ بھی تھی، اب تو ڈیئر ڈنکی اس کی یاد میں بے تال... ارر بے تاب ہے۔ کھانا تیار ہونے میں کتنی دیر لگے گی؟"

"بس تیار ہی سمجھو۔ مگر سنو، سارہ جو انسپکٹر لیس تھی وہ تو شمیل گھاٹی میں راکٹ کے تباہ ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی؟"

"اگر وہ ختم ہو گئی ہوتی تو شوگانیا اور گارٹلر بھی ختم ہو چکے ہوتے۔ اور یہ شیطانوں کی دنیا بھی یہاں آباد نہ ہوتی وغیرہ وغیرہ۔"

پھر واجد اور فرزانہ نے کوئی سوال نہیں کیا۔ البتہ بالے اپنے ڈیئر ڈنکی سے پیار و محبت کی باتیں کر کر کے اس کی طبیعت بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ سارہ کی جدائی نے ڈیئر ڈنکی کو بہت زیادہ اداس کر دیا ہے۔ ویسے وہ سارہ کے بارے من بھی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر گارٹلر نے سارہ کو بچانے کے بارے میں سوچا بھی نہ ہو گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس راکٹ کی تباہی کے بعد وہاں سے زیادہ سے زیادہ ڈکٹر گارٹلر اور شوگانیہ بچے ہوں گے جو ہوا کی مانند تیز رفتار راکٹ کے ذریعے بچ گئے تھے۔ مگر اسے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ گارٹلر نے سارہ کو بھی بچایا ہو گا۔

وہ حیران اسی طرح گزر گیا۔ کس کو پتا نہیں تھا کہ خان کا پروگرام کیا ہے؟ نہ ہی کسی کو پوچھنے کی ہمت ہوئی تھی۔ کیوں کہ جب سے وہ یہاں پہنچے تھے انھوں نے خان کے پیشانی پر لاتعداد سلوٹیں اور چہرے پر ایک گہری سنجیدگی دیکھی تھی۔ وہ بہت کم مسکراتا تھا اور اس کا یہ سکوت بعض اوقات بالے کا دل ہلا کر رکھ دیتا تھا۔ خان کو جتنے قریب سے بالے جانتا تھا اتنے قریب سے شاید کوئی بھی نہ جانتا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اس خاموشی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ خان نے ان لوگوں سے اتنا ضرور کہا تھا کہ آج وہ خوب آرام کر لیں۔ رات بھی نیند بھر کر سو لیں، کیوں کہ ممکن ہے کل کے بعد کبھی آرام کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ اس کے اس جملے کا مقصد صاف ظاہر تھا، جس سے اچانک بالے کے چہرے پر جوش ابھر آیا تھا۔ شاید یہ وہی وقت تھا

جب کہ اکثر بالے کے اندر خان کی شخصیت حلول کر جاتی تھی۔ واجد چاک و چوبند نظر آنے لگا تھا۔ چاروں فوجیوں کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ مگر فرزانہ، اس کا جیسے دم ہی نکل گیا تھا۔ وہ انسپکٹر لیس ضرور تھی، مگر ماحول سے بڑی جلدی متاثر ہو جاتی تھی۔ اسے ایک دم چپ لگ گئی تھی۔ دراصل وہ سوچ رہی تھی اب جانے وہ اپنے ملک کی زمین پر قدم رکھ سکے گی یا نہیں؟

رات ہوتے ہی سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ اب سامنے والے خیمے میں خان، بالے اور بالے کا ڈیئر ڈنکی تھے۔ بالے نے اسے خود ہی اپنے خیمے میں رکھا تھا۔ خان نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کی تھا۔ شوگانیہ کا ساتھی واجد کے خیمے میں پہنچا دیا گیا تھا، جہاں واجد کے ساتھ کرنل جبار بھی تھا۔ وہ نیند کا بڑا دکھیا معلوم ہوتا تھا۔ وہ شام کا کھانا کھائے بغیر ہی لمبا ہو گیا تھا۔ مگر دوسرے فوجیوں کا کہنا تھا کہ یہی کرنل جبار ان کے ساتھ اکثر معرکوں پر رات بھر لیفٹ رائٹ کرتے بھی دیکھا گیا ہے اور کبھی ان کی پلکوں پر سوجن نہیں آئی۔ واجد کسی کھیل وغیرہ سے بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ چناں چہ وہ لیٹ گیا، مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ فوجیوں کے خیموں میں تینوں فوجی رمی کے ہاتھ اڑا رہے تھے۔ سامنے کے خیمے میں خان کاغذ پنسل لیے پتا نہیں کس قسم کے چارٹ بنانے اور بگاڑنے میں مصروف تھا۔ بالے صاحب اپنے ڈیئر ڈنکی سے سونے کی استدعا کر رہے تھے، مگر ڈیئر ڈنکی خیمے کی ایک دیوار سے لگے ہوئے اسے اس طرح گھور رہے تھے جیسے بالے انھیں گالیاں دی ہوں۔ البتہ فرزانہ کے خیمے میں تیز روشنی تھی اور وہ فولڈنگ پلنگ پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ اسکے سینے پر کوئی انگلش میگزین کھلا ہوا تھا۔ مگر قریب کہیں کوئی جھینگر بھی جھائیں جھائیں کرتا تو اس کے کان اس طرح کھڑے ہو جاتے تھے جیسے وہ ابھی بھاگ پڑے گی۔

گیارہ ساڑھے گیارہ تھک سارے خیمے سناٹے میں ڈوب گئے، مگر خان کا خیمہ روشن ہی رہا۔ روشنی کی وجہ سے بالے بھی نہ سو سکا۔ وہ مسلسل ڈیئر ڈنکی سے گفتگو میں مصروف رہا، جو نہایت مدبرانہ انداز میں خاموش بیٹھے تھے۔ پھر اس نے رسٹ واچ تکیے کے نیچے سرکائی

اور ڈیئر ڈنکی سے بولا۔

''ڈیئر ڈنکی، کیا تم بھی کسی کے اسٹنٹ رہ چکے ہو جو اس طرح بنا پلک جھپکائے جاگنا سیکھ گئے ہو، جیسے نیند مقدر میں ہی نہ ہو۔''

ریمارک خان ہی کی طرف تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرا پڑا اور بولا۔

''یہ بڑا لٹریری ڈنکی ہے، بالے صاحب۔ بلکہ ایٹمی ڈنکی کہنا چاہیے۔''

''خدا کا شکر ہے۔'' بالے اس کی طرف منہ کر کے بولا۔ ''میں سمجھا تھا کہ اب آپ کی زبان سے کوئی شریفانہ جملہ دارالحکومت میں ہی سنا ہی جا سکے گا۔''

کیا کروں، تم میری صحبت کے لائق ہی نہیں رہا۔''

''آپ ڈیئر ڈنکی کی انسلٹ کر رہے ہیں۔'' بالے برا سا منہ بنا کر بولا۔

''تمہارے ڈیئر ڈنکی تو ابھی دارالحکومت لے جا کر پھانسی پر لٹائے جائیں گے۔''

''ناممکن۔'' بالے جوش میں آ کر بولا۔ ''اگر ایسا ہوا تو میں فلم دیکھنا چھوڑ دوں گا۔ ہائے، فلموں سے ہی تو ڈیئر ڈنکی کی اہمیت کا اندازہ ہوا ہے۔ یہ تو مشہور پروڈیوسر کامیڈین اوم پرکاش کا بالم ہے، ہندوستان کا گریگری پیک، دیوآنند اس پر 'بازی' میں سواری کر چکا ہے۔ اب شیخ بالے کے انڈر پروڈکشن ایک فلم بننے والی ہے، جس میں ڈیئر ڈنکی ہیرو ہوگا اور وجینتی مالا ہیروئن ہوگی۔ خدا کی قسم وجینتی مالا کی کمر کی ہر لچک پر وہ سُر نکالے گا۔ وہ سُر نکالے گا کہ آپ کے او پی نیّر صاحب کو فلم انڈسٹری چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ اور جناب جب 'رپورٹر' میں جگپورا یک کتیا کے مقابلے میں ہیرو بن سکتا ہے تو کیا میرا ڈنکی وجینتی مالا کے ساتھ ہیرو نہیں بن سکتا وغیرہ وغیرہ۔ ارے ہاں، جناب۔ میرے ڈیئر ڈنکی کو پھانسی پر کیوں لٹکائیں گے؟''

''کچھ اور بکواس رہ گئی ہو تو وہ بھی کر ڈالو۔''

''جناب، آپ سستے نہیں چھوٹ سکتے۔ آپ میرے ڈیئر ڈنکی کو پھانسی پر کیوں لٹکائیں گے؟''

Akram Allahabadi

''کیوں، تمہارا ڈیئر ڈنکی پر...''

ابھی خان کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ کوئی چپکے سے خیمے میں داخل ہوا۔ خان چونک کر بیٹھ گیا۔ بالے نے بوکھلا کر کھوپڑی پر ہاتھ پھیرا۔ کیوں کہ وہ سارہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی پھولی ہوئی سانسیں بتلا رہی تھیں کہ وہ مسلسل بھاگتی ہوئی آئی ہے۔ دفعتاً خان نے مسکرا کر کہا۔

''سارہ، آؤ۔''

مگر سارہ دروازے ہی پر ہونقوں کی طرح کھڑی رہی۔ بالے ڈیئر ڈنکی کے نزدیک منہ بند کر کے بُدبُدایا۔

''ہوشیار، ڈیئر ڈنکی۔ شہزادی صاحبہ۔''

''آؤ، سارہ۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟'' خان نے کہا۔

''نہیں۔'' سارہ دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں تمہارے قریب نہیں آسکتی۔ میں تمہارے قریب نہیں آسکتی۔''

''کیوں؟ کیا تم ہم لوگوں کو پہچانتی نہیں ہو؟''

''پہچانتی ہوں۔'' سارہ پر خیال لہجے میں بولی۔ ''تم خان ہو، یہ بالے ہے۔ تم دونوں وہی ہو میں نے جن کے ساتھ غداری کی تھی۔ تمہارا حکم نہ مان کر میں گارٹلر کے پیچھے دوڑی تھی۔ نہیں، میں تمہاری گنہگار ہوں، میں قریب نزدیک نہیں آسکتی۔ مگر... مگر تم خدا کے لیے چلے جاؤ۔ خدا کے لیے یہاں سے ابھی اور اسی وقت چلے جاؤ۔''

''سارہ، مجھے سمیل گھاٹی کی شکست یاد ہے۔ اب شوگانیہ اور گارٹلر کے بغیر میں نہیں جا سکتا۔''

''نہیں۔'' سارہ جھپٹ کر آگے بڑھی اور خان کے زانو پر سر رکھ کر رونے لگی۔ ''خدا کے لیے تم لوگ چلے جاؤ۔ ان لوگوں سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ یہ لوگ پوری دنیا کو فتح کر سکتے

ہیں۔ان کی ایک ہی ایجاد ایک منٹ میں ساری دنیا کو آگ بگولہ بنا سکتی ہے۔خدا کے لیے تم لوگ چلے جاؤ۔نہیں تو...نہیں تو تم لوگ بھی گھاس چرو گے، کتوں کی طرح بھونکو گے۔تمہیں بھی وہ پروفیسر جیلانی کی طرح بنا دے گا۔خدا کے لیے چلے جاؤ۔'' سارہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

بالے متحیرانہ انداز میں سارہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔پیٹرمیکس لیمپ کی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔اسے سارہ اس دنیا کی عورت نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

''سارہ۔'' خان اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔''پاگل نہ بنو۔گارٹلر اور شوگانیہ کے حربے لوہے کی چٹانیں پگھلا سکتے ہیں، کیوں کہ ان میں قوتِ ارادی نہیں ہوتی، خان کی قوتِ ارادی فولاد سے زیادہ مضبوط ہے۔میں جانتا ہوں تمہیں اس جگہ عجیب ماحول نے مخبوط الحواس کر دیا ہے۔میں تمہیں واپس لے جاؤں گا۔وہاں جا کر تم پھر پہلی سارہ بن جاؤ گی۔''

''نہیں۔'' سارہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔''میں نہیں جاؤں۔میں اِس دنیا کو منہ نہیں دکھا سکتی۔میں نہیں جاؤں گی، ہرگز۔'' پھر وہ پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگی۔

مگر دوسرے ہی لمحے خان کی ایک چھلانگ نے سارہ کو جا لیا پھر بالے اس طرح آنکھیں پھاڑے رہ گیا۔جیسے اسے خان کے وجود پر شبہ ہو، کیوں کہ خان سارہ کے ہاتھ پاؤں کس رہا تھا اور سارہ بجائے چیخنے چلانے کے کسی ایسے بے بس بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی جسے زبردستی اسکول بھیجا جا رہا ہو۔

اس سے فارغ ہونے کے بعد خان نے کچھ سوچا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔چند لمحے بعد وہ واپس آیا اور بولا۔

''شوگانیہ کا ساتھی خیمے میں نہیں ہے۔''

''کیا؟'' بالے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ لوگ بری طرح اچھل پڑے۔کیوں کہ ان کے خیمے پر اتنی تیز سنہری روشنی پڑ

رہی تھی جیسے سورج خیمے کے اندر گھس آیا ہو۔

''بھاگو۔'' سارہ چیخ پڑی۔ ''اب سب جل کر خاک ہو جاؤ گے، بھاگو۔''

دوسرے خیموں سے بھی شور کی آواز آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

سب سے پہلے خان کی ہی آنکھ کھلی اور چونک کر بیٹھ گیا۔

وہاں وہ تنہا نہیں تھا، اس کے سب ساتھی موجود تھے۔ بالے، فرزانہ، واجد کے علاوہ چاروں فوجی بھی۔ اور لوگ بڑے نفیس قسم کے بستروں پر تھے۔

یہ ایک بہت بڑا چکور کمرہ تھا جس کی دیواریں اور چھت خالص موٹے شیشے کی تھیں مگر ان کی رنگت بہت ہلکی آسمانی تھی۔ خان کی نظر فرش پر گئی۔ فرش پر میٹنگ اور کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہی معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ اس وقت وہ بالکل سرد تھا۔ دیواریں کسی بھی قسم کی آرائش سے بے نیاز تھیں۔ چھت میں صرف دو ٹیوب مرکری لائٹ کے لگے تھے، کمرے کے درمیان میں ایک شان دار سی گول شیشے کی میز پڑی تھی جس کے گرد نفیس قسم کے صوفہ سیٹ پڑے تھے۔

اف، خان سوچ رہا تھا، واقعی وہ قیامت کا ہی منظر آ گیا تھا۔ وہ سب بوکھلا بوکھلا کر خیموں سے نکل پڑے تھے، مگر اس روشنی کی گرمی کی شدت نے ان لوگوں کو ادھر ادھر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خان ان لوگوں کو چیخ چیخ کر روکنے کی کوشش کرتا رہا تھا، مگر وہ سب لوگ جدھر سینگ سمائے کے مصداق جدھر جس کا منہ اٹھا تھا، ادھر ہی بھاگتا چلا گیا تھا۔ خان کافی دیر تک خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر اس نے بوکھلا کر قمیص اتار پھینکی تھی، مگر قمیص اترتے ہی روشنی کی جلن جسم میں سوئیوں کی مانند چبھنے لگی تھی اور پھر وہ وہ گر کر بے ہوش ہی ہو گیا تھا۔ اسے یہ تک پتا نہیں تھا کہ اس کے ساتھی کہاں گئے۔ سارہ کو البتہ ان لوگوں نے بوکھلاہٹ میں خیمے میں ہی چھوڑا تھا۔ اور بے ہوش ہوتے وقت خان نے سارہ کی چیخیں سنی تھیں۔

Akram Allahabadi

خدا کی پناہ، خان نے سوچا، اس وقت ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بالکل جنت کا سا لطف محسوس ہو رہا تھا اور اس کے سب ساتھی بھی موجود تھے۔

خان نے ایک طویل سانس لے کر سوچا۔ آخر بچ ہی گئے، مگر اس نے نا امید ہونا تو سیکھا نہیں تھا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور اس کی نظر ایک کھلے ہوئے دروازے پر جا کر رک گئی۔ اسے صرف در بھی کہا جا سکتا تھا، کیوں کہ اس میں کواڑوں کے در نہیں تھے، بس دیوار میں ایک خوب صورت کٹاؤ کے ساتھ خلا بنا دیا گیا تھا، جس کے باہر بھی سامنے دیوار نظر آ رہی تھی اور وہ بھی شیشے ہی کی دیوار تھی۔ وہ غالباً لوئی راہ داری سی تھی، جس میں مرکری ٹیوب کی شفاف اور آنکھوں کو تازگی بخشنے والی روشنی بکھری ہوئی تھی۔

خان نے سوچا اور اٹھ گیا۔ اس کے قدم غیر ارادہ طور پر دروازے کی طرف بڑھے۔ فرش پر ٹینگ بڑی نرم تھی۔ ابھی دروازے سے تین قدم کے فاصلے پر ہی تھا کہ کسی نے انگریزی میں کہا۔ ''ٹھہرو، دروازے میں قدم رکھنا موت کو دعوت دینا ہے۔ دروازے میں برقی غیر مرئی پردہ تنا ہوا ہے۔''

خان جب تک اس جگہ کھڑا رہا یہی آواز آتی رہی۔ تب اس نے ایک طویل سانس لی اور پیچھے ہٹ گیا۔ آواز آنا بند ہو گئی۔ پھر اسکی سمجھ میں اس آواز کا سسٹم بھی آ گیا۔ فرش پر غالباً دروازے سے تین قدم پہلے کوئی ایسا سوئچ پوشیدہ تھا جس سے اس آواز کا ریکارڈ منسلک تھا۔

پھر وہ واپس ہوا اور اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی۔ ان میں سارہ بھی موجود تھی۔ وہ میز کے نزدیک پہنچ کر رک گیا۔ میز پر ایک چھوٹی سی تختی نصب تھی جس پر انگریزی میں تحریر تھا، 'ملازم کو بلانے کے لیے میز پر رکھے ہوئے سوئچ کا بٹن دباؤ'۔

خان نے میز پر ایک سوئچ بھی دیکھا۔ اس نے بٹن دبایا مگر آواز قریب نہیں سنائی دی، لیکن وہ سوئچ دبا کر ہٹا ہی تھا کہ اپنے پیچھے اس نے وہی قہقہہ سنا۔ وہ چونک کر مڑا پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر شوگانیہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

Akram Allahabadi

''شوگانیہ کا سلام قبول ہو۔''شوگانیہ نے مسکرا کر کہا۔

خان نے کوئی جواب دیے بغیر اس شخص کی طرف متوجہ ہوگیا جو سر سے پیر تک سفید ہی سفید نظر آرہا تھا۔آنکھوں کی جگہ دو چمکتے ہوئے سوراخ تھے۔وہ شخص قریب آکر ت مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔قریب آنے پر خان نے غور کیا تب پتا چلا کہ وہ سفید نظر آنے والا آدمی سر سے پیر تک چست قسم کے سفید ربر کے لباس میں تھا۔پھر اس کی سمجھ میں اس سفید لباس کا مقصد بھی آگیا،ظاہر ہے کہ وہ ربر کے لباس میں نہ ہوتا تو اتنی بے تکلفی سے اس دروازے کو نہ پھلانگ سکتا تھا جس میں غیر مرئی برقی پرو وہ تنا ہوا تھا۔

''تم نے گھنٹی کا بٹن دبایا تھا؟''شوگانیہ مسکرا کر بولی۔''ملازم۔''

''اوہ۔''خان نے کہا۔''ہاں،میں گرم گرم تازہ کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔''

ملازم واپس مڑ گیا۔شوگانیہ خان کے اور نزدیک پہنچ گئی۔

''میں اپنے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہنے آئی ہوں۔''

''شکریہ۔''خان مسکرایا۔''میں صرف گارٹلر سے ملاقات کا متمنی ہوں۔''

''تمہاری یہ تمنا بھی پوری ہوگی۔''شوگانیہ مسکرائی۔''مگر تم نے شوگانیہ اور گارٹلر کی زندگی پر حیرت ظاہر نہیں کی؟''

''خان معمولی معمولی باتوں پر حیرت ظاہر کرنے کا عادی نہیں۔''خان لاپرواہی سے بولا۔''مجھے علم ہے کہ تم اپنے تیز رفتار راکٹ کے ذریعے شمیل وادی سے بھاگے تھے۔ تمہیں ہم لوگوں کی یہاں آمد پر حیرت ظاہر کرنی چاہیے۔''

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟''شوگانیہ ہنس پڑی۔''ہمارے ہی آدمی نے تمہاری رہنمائی کی۔ہمارا ہی ذریعۂ سفر تمہارے کام آیا۔اگر تم نے ہارپر سے کشتی حاصل نہ کی ہوتی تو تمہارے فرشتے بھی یہاں نہ پہنچ سکتے تھے۔''

Akram Allahabadi

''خیر، کم از کم اس بات کو تو ضرور مانو گی کہ میں نے تمہارے آدمی کو کس طرح ہینڈل کیا۔''

''وہ بھی میری ہی اسکیم کا ایک حصہ تھا۔'' شوگانیہ ہنس کر بولی۔ ''میں نے جان بوجھ کر اپنا آدمی وہاں چھوڑا تھا، ورنہ ہمارے لیے اس آدمی کو بھی وہاں سے اڑا لانا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ دراصل میں چاہتی تھی کہ تم ایک بار ہماری دنیا میں ضرور آؤ۔ مجھے تمہاری ذہانت پر اعتماد تھا کہ تم میرے چھوڑے ہوئے آدمی کو نہ صرف زبان کھولنے پر مجبور کر دو گے بلکہ اسے اپنا رہنما بھی بنا سکتے ہو۔''

خان مسکرا کر رہ گیا۔ اتنے میں وہی سفید پوش ایک سفید ڈبہ لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ قریب پہنچ کر اس نے ڈبہ کھول دیا۔ اس کے اندر کافی کا برتن اور پیالیاں تھیں۔ خان نے ڈبے پر سفید ربر کا غلاف دیکھا تھا۔ کافی کا سامان رکھ کر وہ واپس چلا گیا۔ خان نے کافی پیالی میں نکالتے ہوئے پوچھا۔

''یہ میرے ساتھی کب تک ہوش میں آئیں گے؟''

''انھیں دیر لگے گی۔ کیوں کہ یہ تمہاری طرح فولادی اعصاب نہیں رکھتے، مگر تم نے دیکھا نہیں ہم انسان کو کس طرح جانوروں کی مانند ادھر ادھر بوکھلاتا پھرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔''

''میں نے دیکھا تھا۔ یہ غالباً ڈاکٹر ضرغام کے سورج سے حاصل کی ہوئی انرجی کا کرشمہ تھا۔''

''ہاں، تم سمجھ دار ہو۔'' شوگانیہ پھر ہنسی۔

خان کافی پینے لگا۔ اس کے چہرے پر ایسے ہی لاپروائی کے آثار تھے جیسے وہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا کافی سے شغل کر رہا ہو۔ قدرے توقف سے شوگانیہ مسکرا کر بولی۔

''تمہاری یہی لاپروائی ہمیں بہت پسند ہے۔ اس بار ہمیں یقین ہے کہ تم ہمارے

دوست بن جاؤ گے۔''

''میں یہاں دوستی کے لیے نہیں آیا۔'' خان خشک لہجے میں بولا۔ ''میں ڈاکٹر گارٹلر کی شیطانی دنیا کو تباہ کرنے آیا ہوں۔ یا تو اسے تباہ کر دوں گا یا خود تباہ ہو جاؤں گا۔''

''تمہاری صاف گوئی ہمیں پسند ہے۔ مگر میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ گارٹلر سے اس قسم کی گفتگو نہ کرنا ان ورنہ ہو سکتا ہے کہ تم بھی پروفیسر جیلانی کی مانند گھاس چرنے لگو۔ ہو سکتا ہے کہ کتوں کی طرح بھونکنے لگو۔''

''مادام شوگانیہ، یہ بات تمہیں وقت بتلائے گا کہ خان یہاں گدھوں کی طرح رینکنے آیا ہے یا گارٹلر کی شیطانی قوت کی موت بن کر آیا ہے۔''

شوگانیہ اچانک خاموش ہو کر کچھ سننے لگی۔ وہ کوئی ایسی آواز تھی جسے خان نہیں سن رہا تھا۔ قدرے توقف سے شوگانیہ نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔

''اچھا ہم آ رہے ہیں۔''

خان نے کافی ختم کر لی تھی۔ وہ لاپروائی سے اپنے ساتھیوں پر نظر ڈالنے لگا۔ شوگانیہ نے مسکرا کر کہا۔

''تم اس بات پر حیران نہیں ہو کہ جو پیغام گارٹلر کا میں نے سن لیا ہے وہ تم کیوں نہ سن سکے؟''

''میں نے کہا نا کہ میں معمولی باتوں پر حیران ہونے کا عادی نہیں ہوں۔''

''تمہارے لیے یہ معمولی بات ہے؟'' شوگانیہ کے لہجے میں ہلکی سی حیرت تھی۔

''ظاہر ہے۔ کیا تمہارے کانوں میں لٹکے ہوئے رنگوں میں وہ برقی قوت نہیں ہے جو ایک مخصوص ٹرانسمیٹر پر نشر کی جانے والی آوازوں کو کیچ کرتی ہے۔ میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں۔'' شوگانیہ واقعی متحیر تھی۔ ''تم درست کہہ رہے ہو۔ تم واقعی ذہین ہو۔''

خان کچھ نہ بولا۔ وہ شوگانیہ کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر اسے حیرت

ہوئی کہ دروازے سے تین قدم کے فاصلے پر پہنچنے پر بھی کوئی ریکارڈ نہیں بولا اور وہ لوگ آسانی سے دروازے سے نکلتے چلے گئے۔

وہ ایک شیشے کی دیواروں اور چھتوں کی راہ داری تھی۔ زمین پر چٹائی ہی تھی جس کمرے سے وہ لوگ نکلے تھے اس کی مخالف سمت میں راہ داری میں کئی دروازے نظر آئے جو بنا کواڑوں کے تھے، غالباً ان کو بھی غیر مرئی برقی لہروں سے روکا گیا تھا۔ خان ان دروازوں پر بھی نظر ڈالتا جا رہا تھا۔ کتنے ہی کمروں میں شیشے کے بہت ساری سائنسی آلات بھرے نظر آئے۔ کسی کمرے میں کوئی کوئی آدمی تجربہ کرتا ہوا نظر آیا تھا۔ مگر ان کی طرف کسی نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

سب سے آخر میں وہ ایک کمرے کے نزدیک رک گئے جس کے اوپر جلی حروف میں باس لکھا ہوا تھا۔ شوگانیہ خان کو اشارہ کر کے اس کمرے میں داخل ہو گئی اور وہاں خان نے ڈکٹر گارٹلر کو دیکھا۔ یہ وہی ڈاکٹر گارٹلر تھا جس سے ایک بار سمیل گھاٹی میں بھی اس کی مڈھ بھیڑ ہو چکی تھی۔ ایک بین الاقوامی مجرم، جو دنیا کے بڑے دماغوں کا دشمن تھا۔ دنیا کے تمام بڑے دماغوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر کے ایک شیطانی دنیا کی بنیاد رکھ رہا تھا جو صرف سائنس اور شعبدوں کی دنیا ہی ہو سکتی تھی اور جو دوسری دنیا کے لیے مستقبل میں ایک بہت عظیم خطرہ بھی ثابت ہو سکتی تھی۔

گارٹلر نے پروقار انداز میں مسکرایا۔

''اپنے معزز مہمان کو خوش آمدید کہتا ہوں۔''

''شکریہ۔'' خان جواباً مسکرایا۔

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ میں نے تمہیں صرف اس غرض سے بلایا ہے کہ معلوم کروں کہ تم ہماری دوستی قبول کرو گے یا نہیں؟''

''خان ایک بار جس کی دشمنی قبول کر چکا ہو۔ اس کی دوستی قیامت تک قبول نہیں

کر سکتا۔"

"کیا اب بھی تمہیں ہماری غیر معمولی قوتوں کا اعتراف نہیں کیا۔ ہم چاہیں تو منٹوں میں دنیا کو نیست و نابود نہیں کر سکتے؟"

"ہمیں اعتراف ہے تم چاہو تو سب کچھ کر سکتے ہو۔" خان مسکریا۔

"مگر ہم صرف اس لیے ایسا نہیں کرتے کہ ہم دنیا میں امن و آشتی کے حامی ہیں۔"

"نہیں، تم ایسا صرف اس لیے نہیں کرتے کہ دنیا کو نیست و نابود کرنے کے بعد تم کھنڈروں پر حکومت نہ کر سکو گے۔ حکومت انسانوں پر ہی کی جا سکتی ہے، خاک اور پتھروں پر نہیں۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" گارٹلر مسکرایا۔ "ہم چاہیں تو ساری دنیا کو خاک میں ملا کر اپنی علاحدہ دنیا قائم کر سکتے ہیں۔"

"ایک دنیا کی بات کر رہے ہو۔ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہونے میں برسوں لگ جاتے ہیں تو تم ایک مٹھی بھر چند انسان مل کر اتنی بڑی دنیا کب تک آباد کر پاؤ گے؟ تم دس افراد ہو، مگر جب تک یہ افراد دو گنے ہی ہوں گے تب تک تم اس دنیا میں نہ رہو گے۔ تمہارے دنیا پر حکومت کرنے کے خواب تمہارے ساتھ ہی دفن ہوں گے۔"

"اسی لیے ہم نے اب تک ایسا نہیں کیا۔ ہم چاہتے ہیں کم از کم نصف دنیا ہماری دوستی قبول کر لے اس کے بعد باقی دنیا کو تباہ کرنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"نصف دنیا تمہاری دوستی قبول کر لے یا تمہاری غلامی؟"

"تم اس غلامی نہیں کہہ سکتے۔ گارٹلر کی دنیا میں جتنے سائنس دان ہیں گارٹلر انھیں اپنا دوست سمجھتا ہے۔"

"مگر وہ لوگ گارٹلر کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر انھیں دنیا کے دوسرے کونے میں بھی بھیج دیا جائے تو وہ گارٹلر کے نام پر کانپ جاتے ہیں۔"

Akram Allahabadi

''یہ گارٹلر کی شخصیت کا اثر ہے، اس کا خوف نہیں۔'' گارٹلر مسکرایا۔ ''بادشاہ عوام کا خادم ہوتا ہے، مگر عوام بادشاہ کا ادب کرتے ہیں۔''

''یعنی تم اپنی دنیا کے بادشاہ ہو۔'' خان مسکرایا۔

''سوفی صدی۔''

''اور میں اپنی دنیا کا بادشاہ ہوں۔'' خان بولا۔ ''تم غلامی کی دوستی چاہتے ہو، میں شیطانیت کی دنیا کی تباہی۔ تم ایٹمی حکومت چاہتے ہو، میں دنیا پر میٹھی زبان اور نرم سلوک چاہتا ہوں۔ تمہیں دنیا کے صرف بڑے دماغوں سے پیار ہے جو دنیا کو تباہی کی طرف دھکیلنے کی اسکیمیں سوچا کرتے ہیں جو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا کر ہیروشیما کو جہنم بناتے ہیں، میں صرف چھوٹے دماغوں سے پیار کرتا ہوں۔ چھوٹے دماغوں کی معصومیت سے پیار کرتا ہوں جو صرف ایک معمولی بم کے دھماکے پر کانپ اٹھتے ہیں، جن کی زبانیں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے ناموں کو دہرا کر ہی لرز اٹھتی ہیں۔ کیوں کہ وہ لوگ حقیقی دنیا کے بندے ہیں۔ وہ غلامی اور بادشاہی نہیں جانتے۔ ان کے دماغوں میں دوسروں کو تباہ کرنے کی اسکیمیں سوچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ صرف پیٹ بھرنا اور تن ڈھکنا اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کے پیٹ بھرنے اور تن ڈھکنے میں مدد کریں۔ اور آج... آج اصولوں کے دو بادشاہوں میں جنگ ہے، دیکھیں کون فتح پائے گا۔''

گارٹلر اس کی طرف حیرت سے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

''مجھے تمہاری ذہانت اور بہادری کا اعتراف ہے۔ مگر کیا تم ہمارے اس حربے کو مقابلہ کر سکو گے جس نے تمہیں بدن پر سے قمیص اتارنے پر مجبور کر دیا تھا، جس نے تمہیں بے ہوش کر دیا تھا؟''

''حربوں کا مقابلہ حربوں سے نہیں قوت ارادی سے کیا جاتا ہے۔'' خان مسکرایا۔ ''اور قوت ارادی میرے اندر ہمالیہ کی ماؤنٹ ایوریسٹ سے بھی بلند ہے۔''

Akram Allahabadi

''میرے ننھے شیر۔'' گارٹلر مسکرایا۔''شاید تمہیں جیلانی کی ضد کا نتیجہ نہیں معلوم۔''

''میں جانتا ہوں، پروفیسر جیلانی کی ضد نے اسے گدھوں کی طرح رینکنے اور گھاس چرنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''ڈاکٹر گارٹلر کی قوتوں کا اندازہ اس امر سے بھی کر سکتے ہو۔ ڈاکٹر گارٹلر کی دنیا میں ایسے سائنس دان بھی موجود ہیں جو انسان کے دماغ کو کھوپڑی سے نکال کر کسی دوسرے کے دماغ میں ڈال کر کام میں لا سکتے ہیں۔ اور جس انسان کا دماغ نکالا جائے اس کے دماغ میں گدھے یا کتے کا دماغ رکھ کر اسے شخصیت کے لحاظ سے بھی گدھا یا کتا بنا سکتے ہیں۔ بلکہ ہر اعتبار سے تمہارا پروفیسر جیلانی اب انسانی غذا تک ہضم نہیں کر سکتا۔ وہ صرف گھاس سے پیٹ بھر سکتا ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تم بھی پروفیسر جیلانی ہی کی مانند گھاس چرنے لگو؟''

''پروفیسر جیلانی وطن کا غدار تھا، دوست۔ وہ اپنا حربہ کسی دوسر ملک کے ہاتھوں ایک بھاری قیمت میں فروخت کرنا چاہتا تھا، پھر بتلاؤ بھلا وہ غلامی خرید کر حربہ کیوں فروخت کر دیتا؟ مگر میں تو سچائی کا پرستار ہوں، میں وطن کا غدار نہیں۔ میں اپنی زندگی کے ساتھ چند اور وفاداروں کی زندگیوں کو فروخت کر کے دنیا کے مستقبل کے لیے پیدا ہونے والا ایک عظیم ترین خطرہ مٹانے آیا ہوں۔''

جواب میں گارٹلر نے ایک طویل قہقہہ بلند کیا۔ پھر بولا۔

''تم ڈاکٹر گارٹلر کی دنیا تباہ کرنے آئے ہو؟'' اس نے پھر قہقہہ بلند کیا۔''ننھے شریر، تمہارے ملک کا ایک عظیم سائنٹسٹ تک گارٹلر پر فتح نہ پا سکا۔''

''پروفیسر جیلانی اور ڈاکٹر ضرغام جیسے سائنس دان کان کی جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔'' خان برا سا منہ بنا کر بولا۔''کہو تو پروفیسر جیلانی کے حربے کی تفصیل بھی بتلا دوں۔''

''ضرور ضرور۔'' گارٹلر قہقہہ لگا کر بولا۔''میں سن کر کافی محظوظ ہوں گا۔''

''تو سنو۔'' خان بولا۔''یہ صرف پانی کے اندر پائے جانے والے ایٹموں میں

نیوکلس Nucleous کے گرد Orbot (مدار) میں گھومتے ہوئے الیکٹرانس کے چکرورک دینے کا نتیجہ ہوتا ہے۔کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں۔''ڈاکٹر گارٹلر کی آنکھوں میں تحیر کے نقوش تھے۔

شوگانیہ خود بھی متحیر تھی۔خان مسکرا کر بولا۔

''حیران مت ہو، ڈاکٹر گارٹلر۔کہو تو تفصیل بھی بتلاؤں؟''

''ہاں ہاں، بتلاؤ۔''

''سنو، خان کوئی سائنس دان نہیں ہے، مگر کم از کم سائنس میں اتنا دخل ضرور رکھتا ہوں کہ پروفیسر جیلانی اور ڈاکٹر ضرغام جیسے شیطانوں کی شیطنیت کی تہ تک پہنچ سکوں۔پروفیسر جیلانی کا حربہ ایک بہت معمولی حربہ ہے جسے سمجھنے کے لیے ذرا سے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔پانی صرف دو عناصر Elements سے مل کر بنا ہے، جنہیں آکسیجن اور ہائیڈروجن کہتے ہیں۔ان دونوں عناصر کا علاحدہ علاحدہ ایک ایٹم ہوتا ہے اور یہ دونوں ایٹم کیمیاوی طریقے پر مل کر ایک پانی کا مولی کیول Molecule (مادہ) تیار کرتے ہیں۔ایٹم کسی مفرد کے سب سے چھوٹے ذرے کو کہتے ہیں۔ایک ایٹم کے اندر تین قسم کے جز ہوتے ہیں۔

(۱) الیکٹرانس Eletrons: یہ جز اپنے اندر منفی برقی قوت Negative Charge رکھتا ہے۔

(۲) پروٹانس Protons: یہ جز اپنے اندر مثبت برقی قوت Positive Charge رکھتا ہے۔

(۳) نیوٹرانس Neutrons: یہ نہ منفی قوت رکھتا ہے نہ مثبت۔یہ قطعی بے اثر ہوتا ہے۔یہ جز ایٹم بم کے بالکل درمیان میں رہتا ہے، جسے نیوکلس Nucleus کہتے ہیں۔اس جز سے صرف ایٹم کا وزن بڑھتا ہے۔

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ منفی قوت ہمیشہ مثبت قوت کو اور مثبت قوت منفی قوت کا اپنی

طرف کھینچتی ہے، مگر یہ وٹانس کیوکہ نیوٹرانس کے ساتھ مل کر نیوکلس میں رہتے ہیں لہٰذا وہ ڈبل قوت کے ہو جاتے ہیں اور وہ نیوکلیس سے نہیں نکل سکتے چناں چہ وہ الیکٹرانس کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کشاکش میں الیکٹرانس نیوکلس کے گرد ایک orbit (مدار) یا تصوراتی راستہ بنا کر گھومنے لگتے ہیں۔ عموماً ایک ایک نیوکلس کے گرد کئی کئی مدار بن جاتے ہیں۔

اب اگر الیکٹرانس کی گردش روک دی جائے تو وہ یقیناً پروٹان کے حصۂ کشش میں آجائیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پروٹانس سے ٹکرا جائیں گے اور ایٹم پھٹ جائے گا۔ ایٹم کا برسٹ ہونا ہی سب سے بڑی قیامت ہوتی ہے۔''

''اور بتلاؤں؟ تمہارے پروفیسر جیلانی احمق نے دنیا کی تباہی کے لیے ایک ایسا سیال تیار کر لیا تھا جو ایک مخصوص مدت کے بعد وہ الیکٹرانس کی رفتار پر اثر انداز ہو جاتا ہے، بس پھر پانی جس جگہ بھی ہوتا تھا اسی جگہ کی چیتھڑے بکھیر کر رکھ دیتا تھا، چاہے وہ شیشے کی بوتل ہو یا آدم کا معدہ۔''

خان کے خاموش ہونے کے بعد بھی گارٹلر اور شوگانیہ کافی دیر تک اسے اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے جیسے انھیں یقین ہی نہ ہو کہ ان کے سامنے خان کھڑا ہے۔ دفعتاً گارٹلر بڑبڑایا۔

''نہیں، تم واپس نہیں جا سکتے۔ گارٹلر کی دنیا کے لیے خان کا دماغ بہت ضروری ہے۔ شوگانیہ ڈارلنگ، خان کو مہمان خانے میں پہنچا دو۔ اگر یہ کل تک ہماری دوستی قبول نہ کریں تو پھر میں مجبور ہوں۔ پرسوں دارالحکومت میں ایک ایسا خان روانہ کیا جائے گا جو کتوں کی طرح بھونکتا ہوگا اور خان کا وہ اصلی دماغ، جس کی بنا پر خان کا نام سارے ایشیا میں مشہور ہے گارٹلر کی دنیا میں رہ جائے گا۔''

خان حقارت آمیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ گارٹلر نے شوگانی سے کہا۔

''تم نے سنا نہیں، ڈارلنگ شوگانیہ۔ مہمان کو گیسٹ ہاؤس میں پہنچا دو۔''

''ایں؟... ہاں۔''شوگانیہ چونک کر بولی۔''ہاں، چلو۔''

تھوڑی دیر بعد خان پھر اسی کمرے میں تھا، جس سے لے جایا گیا تھا۔مگر وہاں اب اس کے ساتھی ہوش میں آ چکے تھے۔شوگانیہ دروازے سے ہی لوٹ گئی تھی۔خان کو دیکھتے ہی وہ سب لوگ اس کی طرف جھپٹ پڑے اور خان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

خان نے انھیں بتلایا کہ وہ لوگ کس طرح گارٹلر کی قید میں ہیں۔اور وہ ابھی ابھی گارٹلر سے ملاقات کر کے آرہا ہے۔اس نے اپنے متعلق گارٹلر کے فیصلے سے بھی انھیں آگاہ کر دیا۔سب کے چہروں پر تشویش کے آثار نظر آئے، مگر بالے اچھل پڑا۔

''ویری گڈ، تب میں گارٹلر سے استدعا کروں گا کہ مجھے سرکس کا مالک بنا دیا جائے تا کہ میں خان صاحب سے ڈھول لڑھکوا سکوں اور انھیں جلتے ہوئے دائرے کے اندر سے چھلانگ لگانے پر مجبور کر سکوں۔''

خان مسکرا پڑا۔مگر دوسرے کسی فرد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی۔کرنل جبار بولا۔

''اماں آفیسر، تم اپنے چیف کا بھی ادب نہیں کرتے؟''

''مائی ڈیئر کرنل، مجھے بتلایئے کہ ادب کس طرح کیا جاتا ہے؟''

''سر کے بل کھڑے ہو کر۔''کرنل جبار جھلا کر بولا۔

بالے دوسرے ہی لمحے سر کے بل کھڑا ہوا تھا پھر وہ لوگ باوجود ضبط کے ہنس پڑے۔ خان، بالے کی طرف تعریفی نظروں سے اس کی طرف گھور رہا تھا، جس نے ایسے ماحول میں ان لوگوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا جب کہ ان لوگوں کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

مگر بالے کے سیدھا ہوتے ہی ان لوگوں کے چہروں سے پھر مسکراہٹیں رخصت ہو گئیں۔خان کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔بالے نے دیکھا کہ اب ان لوگوں کو موڈ میں لانا مشکل ہے، تو وہ میز کے ایک کونے پر ٹک کر جیب سے تمباکو کی پاؤچ اور سگریٹ پیپر کا پیکٹ نکالنے

Akram Allahabadi

لگا۔ ویسے وہ خود بھی فکر مند تھا۔ وہ گارٹلرا اور شوگانیہ کی قوتوں سے خائف نہیں تھا، مگر ان کی قوتوں کا معترف ضرور تھا، کیوں کہ ان کی قوتوں کے چند ایک کرشمے بھی وہ دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سمیل گھاٹی میں تو خان کی دانش مندی کام آ گئی تھی، مگر ضروری نہیں تھا کہ ہر جگہ تقدیر ساتھ ہی دیتی رہے۔

ویسے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ فکر مند تھا۔ فرزانہ کے ہونٹوں پر تو پپڑیاں جم گئی تھیں اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اس طرح خان کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں جیسے اسے توقع ہے کہ اب کی بار خان جو جملہ زبان سے ادا کرے گا، اس میں ان لوگوں کی رہائی کا پیغام شامل ہو گا۔

واجد فکر مند ضرور تھا، مگر خان کی موجودگی اسے ایک غیر فانی قوت کی ہم راہی کی مانند معلوم ہوتی تھی۔ چناں چہ وہ زیادہ بہت پریشان نہیں تھا۔ رہ گئے چاروں فوجی، تو وہ لوگ بے جگر قسم کے فوجی تھے۔ گولہ بارود کی بو ان کے رونگٹے رونگٹے میں بسی ہوئی تھی۔ بموں کے دھماکوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں وہ لوگ اس طرح دندناتے ہوئے گھس پڑتے تھے جیسے بچے چھوٹے چھوٹے اولوں کی بارش میں اولے بٹورنے نکل پڑتے ہیں۔ مگر یہاں تو نہ بم بازی کا معاملہ تھا نہ گولیوں کی بوچھاڑ کا۔ یہاں تو ایک سائنسی قوت سے ٹکرانا تھا۔

چناں چہ ان کے چہروں پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔ قدرے توقف سے صوبیدار سنگھ بولا۔

"اب کیا ہو گا؟"

"اوں۔" خان چونک کر مسکرایا۔ "کچھ بھی نہیں۔ ارے، تم لوگوں کے منہ کیوں لٹک گئے، ایسے اوقات میں دل چھوٹے کرنے کا نتیجہ جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟ جدوجہد کی قوت کی موت۔ اور جب انسان کے اندر یہ قوت مر جائے تو سمجھ لو انسان مر گیا۔ تم لوگ تو شیر ہو۔ انسانیت کی اس نسل سے ہم لوگوں کا تعلق ہے جن کے ذمہ قدرت نے فرائض کا جمِ غفیر کر دیا

Akram Allahabadi

ہے۔ہم لوگ اپنے لیے زندہ نہیں رہتے، ہمیں تو ان معصوم اور سیدھے عوام کے لیے جینا پڑتا ہے جو یہ نہیں جانتے کہ ایک ملک پر چڑھائی دوسرا ملک کیوں کرتا ہے؟ یا ایک ہی ملک کے عوام آپس میں ایک دوسرے کو کیوں قتل کرتے ہیں؟ ایٹمی طاقت کس بلا کا نام ہے؟ لہٰذا اگر ہم لوگ ہی جدوجہد کی قوتوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو ان معصوم عوام کا کیا ہوگا؟ ذرا سوچو....۔"

خان کی اس معمولی گفتگو نے حالات کا رخ غیر معمولی طور پر بدل دیا۔ واجد اور فرزانہ کے چہروں پر اطمینان اور چاروں فوجیوں کے چہروں پر دبا دبا سا جوش۔

کرنل راگھو پر جوش لہجے میں بولا۔

"قسم ہے پرمیشور کی، آفیسرز۔ہم لوگ زندگی کی آخری سانس تک جدوجہد کریں گے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔" خان مسکرایا۔"اب تم لوگ اس وقت تک مطمئن رہو، ہنسو، بولو، جب تک خان زندہ ہے۔اور خان ابھی تک اس کی قوتِ ارادی نہیں مری۔"

بالے نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور سگریٹ کا کش لے کر میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اب کی بار دارالحکومت پہنچ کر سراغ رسانی چھوڑ کر لیڈری شروع کر دیجیے۔"

اس بار سب ہنسے اور ان کی ہنسی میں زندگی بھی تھی، خان صرف مسکرا کر رہ گیا۔دو تین گھنٹے تک وہ لوگ مختلف قسم کی گفتگو کرتے رہے۔مگر خان سب سے علاحدہ بیٹھا ہوا سوچتا رہا۔ البتہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان کی نظریں پرامید انداز میں خان کی طرف ضرور اٹھ جاتی تھیں۔چاروں فوجی کسی محاذِ جنگ کا ذکر کر رہے تھے، جسے فرزانہ اور واجد دلچسپی سے سن رہے تھے۔بالے ڈیئر ڈنکی کی یاد میں گیت الاپ رہا تھا۔

دفعتاً ان لوگوں نے چونک کر خان کی طرف دیکھا جو اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور کال بیل

کا بٹن دبا کر اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔ان لوگوں نے خان کی اس حرکت کو حیرت سے دیکھا تھا، کیوں کہ وہ اس عجیب وغریب بٹن کے استعمال سے واقف نہ تھے۔وہ لوگ پھر اپنے اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔پھر سب سے پہلے بالے دروازے کی طرف دیکھ کر اچھل کر کھڑا ہو گیا، کیوں کہ سب سے پہلے اس نے اس سفید انسان کو دیکھا تھا جو دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

''ملازم ہے۔''خان نے دھیرے سے کہا۔

سب چونک کر ادھر متوجہ ہو گئے تھے،مگر خان کا جملہ سن کر سب بیٹھ گئے۔ملازم خان کے نزدیک آ کر مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔بالے میز پر ٹک کر پھر سگریٹ بنانے میں مشغول ہو گیا،مگر اس کی نگاہیں اسی ملازم پر تھیں۔دفعتاً واجد اس ملازم پر پیچھے سے ٹوٹ پڑا۔خان نے اسے اشارہ کیا تھا۔بالے نے ایک لمحے حیرت سے دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے وہ واجد کا ہاتھ بٹانے میں مصروف ہو گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ زمین پر چت پڑا ہوا تھا اور خان اس کے لباس کے بٹن کھول رہا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد خان سفید لباس میں ملبوس کمرے سے نکل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

خان قریب قریب دو گھنٹے بعد واپس ہوا اور کمرے میں پہنچتے ہی اس نے گردن تک ڈھکی ہوئی ٹوپی اتاری۔اس کی آنکھوں میں دبے ہوئے جوش کے آثار تھے۔اس نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''اب زندگی اور موت میں صرف چند قدموں کا فاصلہ ہے یا تو ہم لوگ بھی اسی دنیا میں دفن ہو جائیں گے یا ہم لوگ اس شیطانی دنیا کو فنا کر کے یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

سب لوگوں کے چہرے سوالیہ نشان بن کر رہ گئے۔خان بولا۔

''میں نے یہ ساری دنیا دیکھ لی ہے۔ظاہرہ یہ محدود نظر آتی ہے مگر کافی رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اوراس دنیا کا سارا نظام مشینی عمل سے گارٹلر کنٹرول کرتا ہے، چار ڈاکٹر اسے اسسٹ کرتے ہیں۔اس پورے تہہ خانے میں کم ازکم سو تجربہ گاہیں ہیں جہاں مختلف قسم کے تجربات عمل میں لائے جاتے ہیں۔یہاں میں نے ایسے آدمی بھی دیکھے ہیں جو کتوں کی طرح بھونک رہے تھے اور ایسے بھی جو گدھوں کی طرح رینک رہے تھے۔یہاں سے باہر جانے کا راستہ بھی میں نے دیکھا ہے، مگر وہ بہت زیادہ مخدوش ہے، یعنی اس حصے سے گزرنے کے لیے کم ازکم دس پہلوان قسم کے پہرے داروں سے نپٹنا پڑے گا۔وہ پہلوان چوکی دار کسی بھی سائنسی ہتھیار سے نابلد ہیں، کیوں کہ سائنسی ہتھیار صرف گارٹلر یا شوگانیہ کے علاوہ گارٹلر کے بہت ہی معتمد قسم کے ساتھی سائنس دان استعمال کر سکتے ہیں۔یہ میرا اپنا خیال ہے کہ ڈاکٹر گارٹلر اتنی قوتوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی اپنے ہی ساتھیوں سے مطمئن نہیں نظر آتا۔دراصل ہر شیطانی کام میں ایک دوسرے پر اعتبار مشکل سے ہی آتا ہے۔''

پھر وہ ان لوگوں کو راستے کی پچویشن سمجھاتا رہا اور بولا۔

''جب اس کمرے کے مرکری ٹیوب کی روشنی نیلی سے سبز ہو جائے تو تم لوگ اسے روانگی کا سگنل سمجھنا اور نکل پڑنا۔وہاں تک تمہیں راستہ صاف ملے گا جہاں پہرے داروں سے مڈبھیڑ ہوگی، کیوں کہ درمیان میں کسی ملازم کے ملنے کے امکانات نہیں۔انھیں تم لوگ آسانی سے قابو میں کر کے ڈال سکتے ہو۔''

پھر خان واپس نکل آیا۔اس کے ساتھ بالے بھی نہیں تھا۔سب سے پہلے اسی راہ داری میں ہی چلتا ہوا ایک کمرے کے نزدیک رک گیا۔اس کمرے میں اسے سامنے ہی شوگانیہ نظر آ رہی تھی جو ایک مخصوص ٹیلی ویژن سیٹ پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی۔

خان نے ادھر ادھر دیکھا اور بڑی آہستگی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔اب وہ شوگانیہ کے بالکل نزدیک پہنچ چکا تھا۔وہ شوگانیہ کی بالکل پشت پر کھڑا ہوا تھا۔دفعتاً شوگانیہ

چونک کر مڑی۔ دوسرے ہی لمحے خان کے ہاتھ شوگانیہ کے کانوں تک گئے اور اس کے کانوں میں لٹکے ہوئے رنگ خان کے ہاتھوں میں آ گئے۔ شوگانیہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ خان کو ملازم ہی سمجھی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ''تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟''

''جرأت کرنے سے جرأت پیدا ہوتی ہے، مادام۔'' خان بولا۔

''اوہ۔'' شوگانی مسکرائی۔ ''تو تم ہو، میں سمجھتی تھی کہ تم چین سے بیٹھنے والوں میں نہیں ہو۔ میں تمہیں آگاہ کر رہی ہوں کہ اس حرکت سے آنے والی موت تمہارے لیے باقابلِ برداشت ہو گی۔ جاؤ، اپنے کمرے میں واپس جاؤ۔ مجھے تم سے خاص طور سے ہمدردی ہے۔''

''ہمدردی کا شکریہ، مادام۔ میں نے ایک بار کہا تھا کہ خان، گارٹلر کی شیطانی دنیا کی تباہی کے لیے یہاں آیا ہے سو اپنا قول پورا کر رہا ہوں۔''

''اچھا۔'' شوگانیہ ہنس پڑی۔ ''بچے اسی طرح خیالی محل بناتے ہیں۔''

''مادام شوگانیہ، آج تمہیں خان بتلائے گا کہ خان کو بچہ سمجھنے والے دراصل خود طفلِ مکتب ہیں۔ تم نے میرے ملک میں قدم رکھ کر اپنی تباہی کو خود ہی للکارا ہے۔ شاید تم پروفیسر جیلانی کی فکر میں اُدھر نہ جاتیں تو ابھی چند ماہ اور خیالی قلعے تعمیر کرنے کو مل جاتے۔''

''ڈیئر خان، تمہیں ایک بات بتلاؤں، مجھے تم سے محبت ہے۔ میں دنیا کی عظیم شخصیت سے پیار کرتی ہوں۔ پہلے وہ شخصیت گارٹلر کی تھی اور اب میں تمہیں سمجھتی ہوں۔ مگر میں اپنی دنیا سے غداری نہیں کر سکتی۔ اپنے مقاصد سے غداری نہیں کر سکتی۔ تمہیں یاد ہو گا کہ تم لال برج میں چند لمحوں کے لیے اندھے ہو گئے تھے اور اب...''

پھر شوگانیہ نے بڑی پھرتی سے ٹیلی ویژن سیٹ کے نزدیک پڑی ہوئی ٹارچ اٹھائی۔ غالباً وہ ٹارچ اس کے باس حفاظتی ہتھیار کے طور پر ہر وقت رہتی تھی، مگر اس سے قبل کہ اس کا رخ خان کی طرف ہوتا وہ خان کے ہاتھ میں پہنچ چکی تھی۔

Akram Allahabadi

شوگانیہ ایک لمحے کے لیے کپکپا سی گئی، مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے۔ دفعتاً اس نے اپنے لبادے کے ایک سائڈ سے ایک ریوالور نکال لیا۔ مگر اس کی نال اتنی ہی پتلی تھی جیسے ایک معمولی پنسل۔ شوگانیہ مسکرا کر بولی۔

''تمہیں شاید تمہارے اسسٹنٹ نے بتلایا ہو کہ وہ کس طرح دو منٹ تک زمین پر مچھلی کی طرح تڑپتا رہا تھا۔ لو تڑپو۔''

پھر اس نے ریوالور نما ہتھیار کی نال خان کی طرف کی اور ٹریگر دبا دیا۔ اس میں سے ایک سوئی نکلی اور خان کے بازو کے قریب سے نکل گئی، کیوں کہ خان ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ خان مسکرایا۔

''مادام، مجھے علم ہے کہ یہ سوئیاں اپنے اندر برقی قوت رکھتی ہیں۔ یہ ایک سوئی کی نوک دو منٹ تک تڑپاتی ہے، دس بارہ سوئیاں جان بھی لے سکتی ہیں۔ مگر یہ ہتھیا بھی آزما کیجیے۔''

شوگانیہ نے پے در پے کئی بار ٹریگر دبایا۔ سب سوئیاں خان کے ادھر ادھر اور اوپر نیچے سے نکل گئیں۔ خان انتہائی پھرتیلے پن کا ثبوت دے رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شوگانیہ بدحواس نظر آنے لگی۔ خان نے قہقہہ لگایا پھر بولا۔

''اب یہ تمہارے اس حملے کا جواب ہے جو تم نے لال برج میں مجھ پر کیا تھا۔ مجھے وہ شکست اس دنیا کی تباہی تک یاد رہے گی، کیوں کہ تم میری آنکھوں کے سامنے سے نکل گئی تھیں۔

پھر اس نے مارچ کا بٹن دبا کر شوگانیہ کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

''نہیں نہیں۔'' شوگانیہ پیچھے ہٹ کر چیخی۔

''زور سے چیخو، مادام۔ گارڈ ٹلر کو مدد کے لیے بلاؤ۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اس کمرے سے شیر کی دھاڑ بھی باہر نہیں جا سکتی۔ ہاہاہا...'' اس نے قہقہہ لگایا۔

شوگانیہ چیختی رہی مگر آنکھیں بند نہ کر سکی۔ وہ بلبلاتی ہوئی ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ پانچ منٹ تک یہ کھیل جاری رہا۔ آخر میں شوگانیہ گھٹنوں کے بل گری پھر کراہتے ہوئے بولی۔

"بس کر، ظالم۔ اب تو میری آنکھیں بے نور ہو گئیں۔"

خان نے دوسرا قہقہہ لگایا۔ ٹارچ بجھائی اور شوگانیہ کو کھینچ کر بستر پر ڈال دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کس دیے اور رومال منہ میں ٹھونس کر باندھ دیا۔ پھر کمرے سے نکل آیا۔

اب اس کا رخ ڈاکٹر گارٹلر کے کمرے کی طرف تھا۔ جیسے ہی وہ ڈاکٹر گارٹلر کے کمرے میں داخل ہوا، ڈاکٹر گارٹلر غرایا۔

"تم بغیر کال کے ادھر کیوں آئے؟" وہ اسے ملازم ہی سمجھا تھا۔

خان چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس وقت کمرے میں دو ڈاکٹر، ڈاکٹر گارٹلر کو اسسٹ کر رہے تھے اور وہ ہاتھ میں ٹیوب لیے ہوئے کوئی تجربہ کر رہا تھا۔ وہ بڑی بے اعتنائی سے ڈاکٹروں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اسے اٹھا کر باہر پھینک دو۔"

پھر کام میں مشغول ہو گیا۔ دونوں ڈاکٹر اس کی طرف بڑھے مگر خان کے قریب پہنچتے ہی دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ اس نے ان دونوں کے سر آپس میں ٹکرا دیے تھے۔

"اوہ۔" ڈاکٹر چونک کر مسکرایا۔ "تو تم ہو۔ تمہیں ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر سکون نہیں ملا۔ چلو کوئی بات نہیں۔ بچے جب تک کلیلیں نہ کریں ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔"

دونوں ڈاکٹر پھر اٹھے اور خان سے بھڑ گئے۔ ڈاکٹر گارٹلر کام میں مشغول ہو گیا۔ مگر ذرا سی ہی دیر بعد اسے چونکنا پڑا، کیوں کہ دونوں ڈاکٹر فرش پر پڑے ہوئے دم توڑ رہے تھے۔

"ہوں۔" گارٹلر نے لمبی سانس لی۔ "تمہیں سبق دینا ہی پڑے گا۔"

پھر وہ ایک الماری کی طرف گھوما ہی تھا کہ خان کے ہاتھ میں شوگانیہ کا ریوالور نما

Akram Allahabadi

ہتھیار نظر آیا۔اس نے کہا۔

''ڈاکٹر، اپنی جگہ سے نہ ہلو۔''

گارٹلر نے پلٹ کر دیکھا اور خان کے ہاتھ میں یہ ریوالور نما ہتھیار دیکھ کر چونک پڑا۔

''اوہ، یہ شوگانیہ سؤر کی بچی غدار۔'' وہ کانپ اٹھا۔

''سؤر کی بچی اندھی ہو چکی ہے۔'' خان مسکرایا۔

''کیا...؟'' گارٹلر اچھل پڑا۔

''مجھے افسوس ہے، ڈاکٹر۔ خان مسکرایا۔''میں انتقام لینا نہیں بھولتا۔شوگانیہ نے میرے ملک میں مجھے چند لمحوں کے لیے اندھا کیا تھا، میں نے اسے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا۔''

''اوہ، اب تم زندہ نہیں رہ سکتے۔'' گارٹلر نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

پھر وہ مڑا ہی تھا کہ خان نے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور نما ہتھیار کا ٹریگر دبا دیا۔ سوئی نکلی اور گرٹلر کی پشت میں داخل ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحے گارٹلر زمین پر گرا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

خان نے قہقہہ لگایا۔

''دنیا کا عظیم سائنس دان گارٹلر ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔''

مگر گارٹلر صرف مچلتا رہا۔خان نے اسی دوران میں ایک سوئچ دبا دیا۔ یہ وہی سوئچ تھا جس سے گیسٹ ہاؤس کے مرکری ٹیوب کی لائٹ سبز ہو جاتی تھیں۔ پھر ایک الماری کھولی اور اس میں ایک بہت بڑی ٹارچ نما شے رکھی تھی، خان نے اسے اٹھا لیا اور گارٹلر کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

دو منٹ گزرتے ہی گارٹلر اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے مشینی قوت نے اچھال

دیا ہو۔ادھر خان کے ہاتھ میں وہ بڑی انارچ نما آلہ دیکھ کر ڈاکٹر لرزا اٹھا۔

''نہیں۔تو عظیم ہے،خان۔میں تجھے اپنی جگہ دے دوں گا۔''

''گارٹلر۔''خان بھیانک ہنسی کے ساتھ بولا۔''میں نے کہا تھا نا کہ خان انتقام لینا کبھی نہیں بھولتا۔شوگانیہ نے مجھے چند لمحے کے لیے اندھا کیا تھا،مگر میں نے اسے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا۔تم نے مجھے صرف قمیص اتارنے پر مجبور کیا تھا،مگر اب تم سارے کپڑے اتار دو گے۔''

پھر گارٹلر نہیں نہیں ہی کرتا رہ گیا۔خان نے اسی انارچ نما آلے کا بٹن دبا دیا۔اس سے بہت تیز قسم کی روشنی پھوٹ کر گارٹلر پر پڑی اور گارٹلر بوکھلا کر اپنا جسم جھنجھوڑنے لگا۔یہ وہی روشنی تھی جس نے ساحل پر ان لوگوں کو بوکھلا دیا تھا اور خان قمیص اتارنے پر مجبور ہو گیا تھا۔مگر وہاں وہ دور سے پڑ رہی تھی،یہاں گارٹلر اور اس روشنی میں صرف چند قدموں کا فاصلہ تھا۔چناں چہ ذرا ہی سی دیر میں گارٹلر نے بوکھلا کر سارے کپڑے اتار ڈالے۔وہ خان کی طرف جھپٹنے کی کوشش کرتا تو روشنی کی حدت سے بے تاب ہو کر پیچھے ہٹ جاتا تھا۔دروازہ خان نے گھیر رکھا تھا۔

وہ بلبلاتا رہا اور چیختا رہا۔مگر اس کی آواز اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔دفعتاً اس نے ایک ہینڈل پر ہاتھ مارا اور بلبلاتے ہوئے بھی وہ قہقہے لگانے لگا۔

''مرو۔اب تم بھی میرے ساتھ مرو۔''وہ چیخا۔

پھر زمین پر گر کر بے حس ہو گیا۔خان فوراً پلٹ پڑا اور تیزی سے شوگانیہ کے کمرے کی طرف لپکا۔شوگانیہ بندھی پڑی تھی۔اس نے شوگانیہ کو کندھے پر لادا اور نکل کر بھاگا۔

جب خان شوگانیہ کو لے کر بھاگا تو گھر گھراہٹ شروع ہو گئی۔اس کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں دنیا جلد تباہ نہ ہو جائے،لیکن اسے سارہ کو بھی ساتھ لینا تھا۔وہ شوگانیہ کو کاندھے پر لیے ہوئے تمام کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا۔لمحہ بہ لمحہ گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔اور خان کو

بھاگنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔کیوں کہ گیس کا دھواں تمام راستوں میں بھرنا شروع ہوگیا تھا۔

آخر ایک کمرے میں خان کو سارہ دکھائی دی جو رسیوں میں جکڑی ہوئی تھی اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔خان نے فوراً شوگانیہ کو ایک طرف ڈال دیا اور سارہ کی رسیاں کھولنے میں دیر نہیں لگائی۔رسیوں کا کھلنا تھا کہ سارہ ای کدم خان سے چمٹ کر رونے لگی۔ اس پر خان نے اس کو تسلی دی اور کہا۔

''پگلی، یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔یہاں سے فوراً بھاگو اور کوئی ایسا راستہ بتاؤ تا کہ ہم اس دنیا کے تباہ ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔''

خان نے شوگانیہ کو کندھے پر لادا اور سارہ کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع کردیا۔کافی دیر دوڑنے کے بعد وہ اس دروازے پر آئے جہاں انھوں نے چوکی دار پہلوانوں سے بالے کو لڑتے بھڑتے دیکھا۔خان بالے کو دادطلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔لیکین وہ وقت لطف اندوزی کا نہیں تھا۔خان نے فوراً شوگانیہ کو زمین پر ڈالا اور ریوالور نکال کر دو فائر جھونک دیے۔ فائر ہوتے ہی چوکی دار پہلوان زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

''بھاگو۔''خان نے اپنے ساتھیوں کی طرف منہ کر کے کہا۔

سب نے بھاگنا شروع کردیا۔کافی فاصلے پر جا کر خان کو سارہ نے مخاطب کر کے کہا۔''خان صاحب، اب ہم خطرے سے باہر ہیں۔''

فرزانہ بار بار سارہ کو دیکھ رہی تھی، لیکن خاموش تھی۔

بالے کی ساری توجہ سارہ کی طرف تھی اور خان پوری طرح سے شوگانیہ کی طرف متوجہ تھا، جس کی آنکھوں سے زرد زرد رنگ کا گاڑھا گاڑھا پانی برابر جاری تھا۔گارٹلر کی دنیا سے اب دھواں زیادہ تعداد میں اٹھنا شروع ہوگیا تھا، بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کئی سو کی تعداد میں ریل کے انجن ایک جگہ کھڑے ہوئے دھواں اگل رہے ہوں۔اس کی توجہ اس دھوئیں

کی طرف تھی اور خان کی مسکراہٹ اس وقت بہت زہریلی تھی۔ دھواں بڑھتا رہا اور گارٹلر کی نئی دنیا دھوئیں میں گھر گئی۔ بالے نے خوشی کا ایک نعرہ بلند کیا۔ ''دھوئیں کا جزیرہ۔''

پھر ان لوگوں کو مختصر سا قافلہ ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ ساحل پر پہنچتے پہنچتے پانچ بج گئے تھے۔ خان نے صوبے دار سنگھ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہم کو چھ بجے تک ساحل چھوڑ دینا ہے۔''

حکم کی دیر تھی کہ تینوں فوجیوں نے روانگی کا انتظام شروع کر دیا۔ شوگانیہ بار بار ہونٹ چبا رہی تھی۔ خان نے اس کے حلق میں پانی ڈالا۔ پانی پینے کے بعد شوگانیہ نے زبان کھولی۔ ''ظالم، تو نے میری محبت کی قدر نہ کی۔'' اس کا اشارہ خان کی طرف تھا۔ لیکن خان نے اس وقت کچھ جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، کیوں کہ ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

چھ بجے کے قریب ان لوگوں نے کشتی پر سوار ہو کر ساحل چھوڑ دیا۔

فرزانہ اور سارہ پاس پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ بالے نے سارہ کو مخاطب کیا۔

''للو کی ماں، اب تو مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی؟''

''شٹ اپ۔'' سارہ نے جھلا کر کہا۔ پھر دوسری طرف منہ کر کے رونے لگی۔

فرزانہ برابر شوگانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب روئی، تب روئی، کیوں کہ شوگانیہ کی حالت غیر تھی۔ خان کا ہاتھ شوگانیہ کی نبض پر تھا کیوں کہ نبض کی رفتار بہت سست تھی۔ صوبے دار سنگھ نے خان سے کچھ پوچھنا چاہا تو خان نے انگلی کے اشارے سے ان کو چپ رہنے کو کہا اور بولا۔

''کاش یہ زندہ ہماری زمین تک پہنچ سکتی۔''

لیکن سفر ختم ہونے سے پہلے خان کی تمنا پر پانی پھر گیا اور شوگانیہ نے دم توڑ دیا۔

خان نے اس پر چادر ڈال دی اور سارہ اور فرزانہ کے آنسو نکل پڑے، لیکن بالے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنی سرزمین پر قدم رکھتے ہی خان نے پولیس کی مدد حاصل کر لی

اورفوراً ایمبولینس منگانے کا انتظام کیا۔اپنی اپنی جگہ سب رنجیدہ تھے اور..لیکن خان کو دیکھ کر یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ افسردہ ہے یا رنجیدہ؟

☆☆☆ **ختم شد** ☆☆☆

Akram Allahabadi